VOLUME: 8
ISSUE: 1-6
ISSN: 2454-4035
JANUARY-JUNE 2021

انوار تحقیق

مدیران اعزازی

پروفیسر صاحبزادہ صولت علی خان

پروفیسر ای اے حیدری

مدیر اعلی

سید الیاس احمد مدنی

ANWAR-E-TAHQEEQ January-June 2021

VOLUME: 8
ISSUE: 1-6
ISSN: 2454-4035
JANUARY-JUNE 2021

ANWAR-E-TAHQEEQ

(Multilingual & Multidisciplinary Peer Reviewed Refereed Monthly Magazine from Qila-e-Golconda, Hyderabad, Deccan)

HONORARY EDITORS

PROFESSOR SAHEBZADA SAULAT ALI KHAN

PROFESSOR E. A. HAIDARI

CHIEF EDITOR

SYED ILIYAS AHMAD MADNI

قلعہ گولکنڈہ،حیدرآباد،دکن سے ماہانہ ادبی مجلّہ.................

انوار تحقیق

جلد۔۸ شمارہ۔۱تا۶ جنوری۔جون ۲۰۲۱ء

زرتعاون:۔فی شمارہ:۔۱۰۰روپئے سالانہ:۔۱۰۰۰روپئے

نگراں:۔**سید عادل احمد**،محکمہ آثارقدیمہ،اسٹیٹ میوزیم،حیدرآباد،تلنگانہ

مدیران اعزازی:

صاحبزادہ ڈاکٹرصولت علی خان،ڈائرکٹراے پی آرآئی،ٹونک(راجستھان)

ڈاکٹرای اے حیدری،ایسوسی ایٹ پروفیسرشعبہ اردو،گورنمنٹ لوہیاپی جی کالج چورو(راجستھان)

ایڈیٹر:۔**سیدالیاس احمدمدنی**

پتہ:۔ 9/10/389،نیم باولی مسجد،کٹھوراہاؤس،گولکنڈہ قلعہ،حیدرآباد،تلنگانہ۔008 500

موبایل نمبر:۔09966647580،09667489786 ای میل:۔anwaretahqeeq@gmail.com

مجلس ادارت

پروفیسرسیدمحمداسدعلی خورشید،علی گڑھ

پروفیسرشاہدنوخیزاعظمی۔مانو,حیدرآباد

ڈاکٹرمحمدعقیل۔بی ایچ یو،وارانسی

ڈاکٹرمحمداحتشام الدین،علی گڑھ

ڈاکٹرمحمدقمرعالم۔ اے ایم یو،علی گڑھ

ڈاکٹرمحمدتوصیف خان کاکر۔اے ایم یو۔علی گڑھ

ڈاکٹراحمدنویدیاسر،اے ایم یو۔علی گڑھ

شیخ عبدالرحیم۔جماعت اسلامی ہند۔حیدرآباد،دکن

متبع علی خان۔ایڈیٹراردوخبرڈاٹ ان،حیدرآباد،دکن

ریویوکمیٹی

پروفیسرمسعودانورعلوی۔علی گڑھ

پروفیسرعمرکمال الدین۔لکھنؤ

پروفیسرعزیزبانو۔حیدرآباد

پی انورادھاریڈی۔انٹیک،تلنگانہ اسٹیٹ،حیدرآباد۔چاپٹر

ڈاکٹرزرینہ پروین۔ڈائرکٹرآف آرکائیوز،حیدرآباد،دکن

ڈاکٹرسیدہ عصمت جہان۔مانوحیدرآباد

ڈاکٹرایم اے نعیم،حیدرآباد،دکن

جناب ایم اے غفار،استادخطاطی،ادارۂ ادبیات اردوحیدرآباد

کشورجھن جھن والا،ماہرمسکوکات،ممبئی

امربیرسنگھ۔ماہرمسکوکات۔حیدرآباد

فہرست مندرجات

	عنوان	مقالہ نگار	صفحہ
۱	اداریہ		۳
۲	واقف اسرار معنی سلطان الاولیا شاہ پیر محمد لکھنویؒ......	پروفیسر سید محمد اسد علی خورشید	۴
۳	مولانا ابوالکلام آزاد ایک باکمال انشاء پرداز	ڈاکٹر ای۔اے۔حیدری	۱۵
۴	جوش ملیح آبادی کی نظم حسن اور مزدور	ڈاکٹر تسلیم	۲۵
۵	مصور جنگ راجہ دین دیال	ڈاکٹر سید عادل احمد	۲۹
۶	دیوان پروین پر ایک نظر	ٹیپو سلطان	۳۲

اداریہ

حکایت

روایت ہے کہ ایک رئیس بصرہ کسی دن اپنے باغ میں گیا۔اس کی نظر اپنے باغ کے مالی کی بیوی پر پڑی اور برا خیال پیدا ہوگیا۔ رئیس نے مالی کوکسی کام کے لئے بھیج دیا اوراس کی بیوی کوکہا: باغ کےسب دروازے بندکردے۔عورت نے آکر کہا: میں نے سب دروازے بندکردئے مگر ایک دروازہ ایسا ہے کہ میں اسے بندنہیں کرسکتی۔رئیس نے پوچھا: وہ کون سا دروازہ ہے۔مالی کی بیوی نے کہا: وہ دروازہ وہ ہے، جومیرے اور میرے رب کے مابین ہے۔یہ سن کر رئیس شرمندہ ہوا، اوراللہ سے اپنے گناہ کی معافی مانگی۔

حاتمؒ فرماتے ہیں کہ میں نے چار علم اختیار کئے ہیں اور دنیا کے تمام علوم سے آزاد ہوں۔لوگوں نے پوچھا حضرت وہ چار علم کون سے ہیں۔فرمایا:

پہلا علم تو یہ ہے کہ میرا رزق جتنا میرے لئے مقسوم ہے کم یا زیادہ ہوسکتا۔اس وجہ سے میں زیادہ کی تلاش سے بے پرواہ ہوں۔

دوسرا علم یہ ہے کہ مجھ پر میرے رب کے ایسے حقوق ہیں جو میرے سوا دوسرا ادا نہیں کرسکتا۔تو میں ان حقوق کی ادائگی میں مشغول ہوگیا ہوں۔

تیسرا علم یہ کہ میرا ایک طالب ہے جسے موت کہتے ہیں اس سے بھاگنا ناممکن ہے۔اس لئے میں اس کے لئے تیار ہوں۔

چوتھا علم یہ کہ میرا رب مجھے ہر لمحہ دیکھنے والا ہے، میں اس سے شرماتا ہوں اور نا کردہ کاری سے اجتناب کرتا ہوں اور ہر ایسے فعل سے بچنے کی کوشش کرتا ہوں جس کی وجہ سے کل قیامت میں شرمندہ ہونا پڑے۔

فصل بندہ کا علم اوامر الٰہیہ اوراس کی ذات کے جاننے میں ضروری ہے اور علم اوقات اور اوقات میں جو بندہ پر لازم ہے۔اس کا جاننا بھی لابدی ہے۔پھر احکام ظاہری و باطنی کا سمجھنا بھی ضروری ہے، اور ظاہر و باطن امور کے لحاظ سے علم مخلوق کی دو قسمیں ہیں: ایک علم اصول، دوسرا علم فروع۔اصول ظاہری میں تو کلمۂ شہادت ہے یعنی وحدانیت الٰہی کا اعتراف اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق۔اور اصول باطن میں معرفت۔

کلام المرغوب ترجمہ کشف المحجوب (مترجم سید محمد احمد قادری) ص ۸۷

پروفیسر سید محمد اسد علی خورشید
صدر شعبہ فارسی وڈائیریکٹر مرکز تحقیقات فارسی،علی گڑھ مسلم یونیورسٹی،علی گڑھ

واقف اسرار معنوی سلطان الاولیا شاہ پیر محمد لکھنویؒ سترہویں صدی کے معروف وممتاز عارف

حضرت شاہ پیر محمد قدس سرہ العزیز گیارہویں صدی ہجری مطابق سترہویں صدی عیسوی کے شہرۂ آفاق بزرگ گذرے ہیں جو سلوک وعرفان میں بلند مرتبے پر نہ صرف یہ کہ خود فائز تھے بلکہ جن کی نگاہ کیمیا اثر کے فوز وفیوض سے خود ان کے خلفا ومجازین سلطنت عرفان و تصوف کے تاجدار ہوئے۔

سلطان العارفین حضرت شاہ پیر محمد قدس سرہ کی ولادت باسعادت ۱۰۲۲ھ مطابق ۱۶۱۳ء میں جونپور کے منڈیاہو میں واقع قریہ اٹاوان میں ہوئی۔ابھی کم سنی کی عمر تھی جبھی ان کے والد شیخ اولیا کفار کے ہاتھوں شہید ہوگئے اور جب دس سال کے ہوئے تو والدۂ ماجدہ کی وفات ہوگئی۔حضرت شاہ کے عم محترم ملاعبدالکریم نے جو خود بھی ظاہری وباطنی کمالات سے مزین ومعمور تھے ،پرورش وپرداخت کی ۔ملاعبدالکریم کو اپنے برادرزادے سے ایسا انس تھا کہ صاحب مناقب الاسرار کے بیان کے مطابق انہوں نے اپنی ساری خدمات ان سے ہی وابستہ کررکھی تھیں اور حضرت شاہ پیر محمد کی ذراسی دیر کی جدائی بھی انہیں بہت شاق گذرتی تھی۔لہذا اگر حضرت شاہ پیر محمد قدس سرہ مقتضائے عمر کی بناء پر کہیں چلے جاتے تو ملاعبدالکریم بہت بیقرار ہوتے اور جس کام کے لئے انہیں بلا نا مقصود ہوتا تو حاضرین کی خدمت کی درخواست کے باوجود ان سے متعلقہ کام ان ہی سے کراتے اور ہرگز کسی دوسرے کو نہیں کرنے دیتے۔جب حضرت شاہ پیر محمدؒ آتے تو وہی وہ خدمت انجام دیتے اور ملاعبدالکریم ان سے فرماتے ؛

> ’’بابا تمہیں مخدوم بننا ہے تمہارے خدمت کرنے کا وقت یہی
> ہے،لہذا اس وقت کو ہاتھ سے نہ جانے دو اور فقیر کی خدمت میں
> تساہلی نہ کرو اور مجھے اپنا اور خود کو دوسروں کا محتاج نہ بناؤ‘‘

صاحب بحر ذخار نے سلطان الاولیا حضرت شاہ پیر محمد قدس سرہ کا ذکر خیر بڑے دلنشین ودلکش پیرایے میں کیا ہے اور ان کے لئے آئینۂ جمال،شاہد بےنظیر،گنجینۂ گوہر دریاے تقدیر،صاحب چار بالش مجلس علم الیقین،مورد مقام تمکین اور واقف علوم صوری ومعنوی جیسے دقیق اور ارفع ووالا خطابات کا استعمال کیا ہے جو حضرت کے علوئے مرتبت اور سلطنت وولایت تجرید میں خسروانہ منصب پر مستحکم دلیل ہے۔صاحب مناقب الاسرار اور بحر ذخار کے بیان کے مطابق حضرت شاہ پیر محمد قدس سرہ مادرزاد ولی تھے اور بچپن سے ہی ان کی جبین سے ولایت کے انوار مترشح تھے۔چنانچہ مناقب الاسرار میں مرقوم ہے کہ؛

"۔۔۔ بموجب من سعدسعد فی بطن امه سعید ذات مطهر ایشان است که جمیع حظوظ دنیای دنیٰ ازحد طفولیت کو خاک پای ایشان نگشته۔ حق تعالی وجودشریف ایشان را معصوم و پاک ازجمیع لوث ساخته و بآب استغنای تام دل حضرت ایشان را از کدورت وشهوت شسته ۔۔۔"

(مخطوطہ مناقب الاسرار؛عظمت اللہ بن مدینۃ اللہ جعفر نظام؛ص۳)

صاحب بحرِ ذخار اس ضمن میں اس طرح رقم کرتے ہیں کہ؛

"۔۔۔چون حق سبحانه و تعالی دولت مادرزاد اورا عطا کرده بود، در سن صغیر هم بعضی خوارق عادات ازو سر زده که باعث اعتقاد کمال مسعودی او بر عالم گشت ۔۔۔"

(بحرِ ذخار؛وجیہ الدین اشرف تصحیح آذرمی دخت صفوی؛ص۳۹۲)

جب حضرت شاہ پیر محمد قدس سرہ سن تمیز کو پہنچے تو ان کے چچا نے ان کی شادی کرنی چاہی لیکن حضرت شاہ پیر محمدؒ اس کے لئے آمادہ نہ ہوئے اور پھر مانک پور آ کر تحصیل علوم میں مشغول ہو گئے۔اکتساب علمی کے دوران ہی قطب الاقطاب جامع کمالات صوری ومعنوی حضرت شاہ عبداللہ سیاح قدس سرہ نے مانک پور میں نزول فرمایا اور ایک دن سرراہ طالب ومطلوب اور قاصد ومقصود کا آمنا سامنا ہو گیا اور حضرت شاہ پیر محمد قدس سرہ کے دل میں حضرت عبداللہ سیاح کے لئے ایک خاص کشش پیدا ہو گئی۔حضرت عبداللہ سیاح نے پوچھا کیا چاہتے ہو؟ حضرت شاہ پیر محمد نے عرض کیا نسخہ ارشاد۔حضرت عبداللہ مسکرائے اور کوئی جواب دیئے بغیر اپنے راستے پر چل پڑے۔اسی وقت حضرت شاہ پیر محمد کو یقین ہو گیا کہ اہل اللہ سے ہیں اور ان کی صحبت اختیار کرنی چاہئے۔حضرت عبداللہ سیاح کا معمول تھا کہ جہاں کہیں بھی سیاحت کو جاتے شہر و قصبہ کی سیاحت کے بعد اس علاقے کے ویرانے میں چلے جاتے اور وہیں رہتے۔چنانچہ حضرت شاہ پیر محمد ان کی تلاش میں سرگرداں ہوئے اور بلاآخر ایک ویرانے میں انہیں جالیا۔بہت دیر تک حضرت شاہ پیر محمد،حضرت عبداللہ سیاح کے روبرو بیٹھے رہے لیکن وہ متوجہ نہیں ہوئے۔جب ان کا اشتیاق از حد بڑھا تو حضرت عبداللہ سیاح کے ہمراہیوں میں سے ایک سے انہوں نے بذل الطاف وعنایت کا طریقہ پوچھا۔اس ہمراہی نے بتایا کہ حضرت کو سرود وسماع سے بہت انس ہے،اگر اس کا کچھ انتظام کرو تو ممکن ہے کہ تمہاری طرف متوجہ ہو جائیں۔حضرت شاہ پیر محمد کے پاس ایک طالب علم پڑھتا تھا جو سرود بہت اچھا بجاتا تھا۔چنانچہ حضرت اسے اپنے ساتھ لے آئے اور پھر حضرت عبداللہ سیاح کے روبرو جا بیٹھے۔کچھ دیر بعد شاہ پیر محمد کا ارشاد پا کر اس طالب علم نے سرود بجانا شروع کیا اور حضرت عبداللہ پر خوش وقتی طاری ہو گئی اور جب سرور ونشاط از حد بڑھ گیا تو اسی کیفیت کے عالم میں حضرت شاہ پیر محمد سے مخاطب ہوئے اور اس حد تک التفات فرمایا کہ اپنا محرم اسرار بنالیا۔یہ واقعہ خود

حضرت شاہ پیر محمد قدس سرہ کے بیان کے مطابق ۶/ذیقعدہ ۱۰۳۹ھ کا ہے۔چنانچہ صاحب مناقب الاسرار، حضرت شاہ پیر محمد قدس سرہ العزیز کے حوالے سے یوں رقم طراز ہیں؛

"۔۔۔چنانچه سلطان الاولیا برهان الاصفیا ،حقیقتِ دریافتِ صحبت ِسراسر سعادت وهدایتِ شاه بزبان دُربار و گوهر نثار فرمودند :که **لیس خرقة ارادة** وهر مسندی مرا از مرشدی سیاح عالم تجرید ' غوّاص بحرتفرید حضرت شاه عبد الله سیاح بیواسطه رسیده که آغاز شعورو آگاهی،این درویش را محبت با اهل الله و آرزوی فقراء باب الله بسیار بود ۔چنانچه هر فقیری را وعزیزی را که در می یا فت مکر ر بملازمت می رسید تا آنکه در عنفوان شباب بتاریخ ششم ذیقعده ۱۰۳۹ در مانکپور که این درویش در انجا برای کسب علوم ظاهر اقامت میداشت، بشرف ملازمت حضرت قدوةالعارفین' اسوة المحققین، قطب فلك تجرید، مرکز عالم تفرید،حاوی علوم ظاهر، جامع رموزباطن پیردستگیر شاه عبد الله قدس سره العزیز که بادو یار صاحب کمال ' جامع علوم ظاهر و باطن که اسم شریف ایشان میان شیخ دانیال و میان شیخ سعدالدین بود به ارادۂ سیر ملك بنگاله از ملك دکهن بد انجا شرف ورود فرمود ند' مشرف شد و ساعت به ساعت اعتقاد ولایت و بزرگی ایشان راسخ تر گشت ' چنانچه روز عرفه شهر مذکوربه شرف بیعت وارادت مشرف گشته۔۔۔"

(مناقب الاسرار؛ ہماں ص۵)

صاحب بحرذخار نے حضرت شاہ پیر محمد لکھنوی قدس سرہ کی حضرت شاہ عبداللہ سیاح سے ملاقات کا ذکر اتنی تفصیل سے تو نہیں کیا لیکن یہ مذکور کیا ہے کہ حضرت شاہ پیر محمدؒ جب مانکپور میں تحصیل علوم میں مشغول تھے تو ان ہی دنوں شاہ عبداللہ سیاحؒ نے وہاں وارد ہو کر حضرت شاہ پیر محمد لکھنوی کو تمام سلاسل اور جملہ اذکار واشتغال کے ساتھ مرید کر کے بنگال کا رخ کیا۔چنانچہ صاحب بحرذخار کے الفاظ میں؛

"۔۔۔ همدران ایام شاه عبد الله سیاح وارد گشته آنحضرت رامع

اجازت جمیع سلاسل متعدده که سابق نوشته شد و سایر اذکار و اشتغال خاندان خود مرید ساخت و رخصت نموده خود بطرف بنگاله رفت ۔۔۔''

(بحرذخار؛ہماں ص۳۹۲)

حضرت شاہ پیرمحمد قدس سرہٗ نے اپنی تصنیف لطیف مصالح الطالبین میں اپنا شجرۂ طریقت وبیعت مرقوم کیاہے۔چنانچہ تحریرفرماتے ہیں؛

''۔۔۔ شجرۂ پیران این درویش، پیران چشت اهل بهشت این است:

الهی بحرمت راز و نیاز حضرت مخدوم شاه عبد الله سیّاح قدس سرهٗ ،الهی بحرمت راز و نیاز حضرت مخدوم شاه بایزید متوکل قدس سرهٗ،الهی بحرمت راز و نیاز حضرت مخدوم شاه دانیال پارسا قدس سرهٗ،الهی بحرمت راز و نیاز حضرت مخدوم شیخ داود طائی قدس سرهٗ،الهی بحرمت راز و نیاز حضرت مخدوم شیخ یوسف بری قدس سرهٗ،الهی بحرمت راز و نیاز حضرت مخدوم سید راجو قتّال قدس سرهٗ،الهی بحرمت راز و نیاز حضرت مخدوم جهانیان قدس سرهٗ،الهی بحرمت راز و نیاز حضرت مخدوم شیخ نصیر الدین قدس سرهٗ،الهی بحرمت راز و نیاز حضرت مخدوم شیخ نظام الدین اولیا قدس سرهٗ،الهی بحرمت راز و نیاز حضرت مخدوم شیخ فرید الدین گنج شکر قدس سرهٗ،الهی بحرمت راز و نیاز حضرت مخدوم خواجه قطب الدین قدس سرهٗ،الهی بحرمت راز و نیاز حضرت خواجه معین الدین چشتی قدس سرهٗ،الهی بحرمت راز و نیاز حضرت مخدوم شیخ داود طائی قدس سرهٗ،الهی بحرمت راز و نیاز حضرت خواجه عثمان هارونی قدس سرهٗ،الهی بحرمت راز و نیاز حضرت شیخ حاجی شریف زندنی قدس سرهٗ،الهی بحرمت راز و نیاز

حضرت قطب الدین مودود چشتی قدس سرہٗ،الہی بحرمت راز و نیاز حضرت شیخ ناصر الدین ابو یوسف چشتی قدس سرہٗ،الہی بحرمت راز و نیاز حضرت شیخ ناصر الدین ابو محمد حسینی قدس سرہٗ،الہی بحرمت راز و نیاز حضرت ابی احمد فرسافہ قدس سرہٗ،الہی بحرمت راز و نیاز حضرت ابو اسحاق شامی قدس سرہٗ،الہی بحرمت راز و نیاز حضرت خواجہ علو ممشاد دینوری قدس سرہٗ،الہی بحرمت راز و نیاز حضرت خواجہ ہبیرہ بصری قدس سرہٗ،الہی بحرمت راز و نیاز حضر ت حذیفہ مرعشی قدس سرہٗ،الہی بحرمت راز و نیاز حضرت خواجہ ابراہیم ادھم قدس سرہٗ،الہی بحرمت راز و نیاز حضرت خواجہ فضل بن عیاض قدس سرہٗ،الہی بحرمت راز و نیاز حضرت خواجہ عبد الواحد بن زید قدس سرہٗ،الہی بحرمت راز و نیاز حضرت خواجہ حسن بصری قدس سرہٗ،الہی بحرمت راز و نیاز حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہٗ،الہی بحرمت راز و نیاز حضرت سرور کائنات مفخر موجودات رحمت عالمیان و صفوت آدمیان تتمہ دور الزمان احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم و علی آلہ و اصحابہ

شجرۂ پیران قادریہ رضی اللّٰہ عنہ:

الہی بحرمت راز و نیاز حضرت مخدوم شاہ عبد اللہ سیّاح قدس سرہٗ ،الہی بحرمت راز و نیاز حضرت مخدوم شاہ بایزید متوکل قدس سرہٗ،الہی بحرمت راز و نیاز حضرت مخدوم شاہ دانیال پارسا قدس سرہٗ،الہی بحرمت راز و نیاز حضرت مخدوم شیخ داود طائی قدس سرہٗ،الہی بحرمت راز و نیاز حضرت مخدوم شیخ یوسف بری قدس سرہٗ،الہی بحرمت راز و نیاز حضرت مخدوم سید

راجو قتّال قدس سرہٗ،الہی بحرمت راز و نیاز حضرت مخدوم مخدوم جہانیاں جہان گشت قدس سرہٗ الہی بحرمت راز و نیاز حضرت مخدوم محمد شاہ تستری قدس سرہٗ ،الہی بحرمت راز و نیاز حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہٗ،الہی بحرمت راز و نیاز حضرت مخدوم ضیاالدین سہروردی قدس سرہٗ،الہی بحرمت راز و نیاز حضرت مخدوم غوث الصمدانی میر سید محی الدین عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ،الہی بحرمت راز و نیاز حضرت ابو سعید مخزمی قدس سرہٗ،الہی بحرمت راز و نیاز حضرت علی ابن محمد بن ابی یوسف قدس سرہٗ،الہی بحرمت راز و نیاز حضرت مخدوم شیخ ابو الفرح یوسف قدس سر ہٗ، الہی بحرمت راز و نیاز حضرت شیخ مخدوم عبد العزیز قدس سرہٗ ،الہی بحرمت راز و نیاز حضرت شیخ ابو بکر شبلی قدس سرہٗ،الہی بحرمت راز و نیاز حضرت مخدوم شیخ جنید بغدادی قدس سرہٗ،الہی بحرمت راز و نیاز حضرت مخدوم شیخ سری سقطی قدس سرہٗ،الہی بحرمت راز و نیاز حضرت شیخ معروف کرخی قدس سرہٗ،الہی بحرمت راز و نیاز حضرت امام موسیٰ رضا قدس سرہٗ،الہی بحرمت راز و نیاز حضرت امام جعفر صادق قدس سرہ،الہی بحرمت راز و نیاز حضرت محمد باقر قدس سرہٗ،الہی بحرمت راز و نیاز حضرت امام زین العابدین قدس سرہٗ،الہی بحرمت راز و نیاز حضرت سید الشہداء امیر المومنین امام حسین قدس اللّٰہ سرہٗ،الہی بحرمت راز و نیاز حضرت امیر المومنین امام المتقین علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہٗ،الہی بحرمت راز و نیاز حضرت سرور کائنات مفخر موجودات رحمت عالمیان و صفوت آدمیان تتمہ دور الزمان احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم و اصحابہ

شجرۂ پیران سہروردیہ مرضیہ:

الہی بحرمت راز و نیاز حضرت شیخ عبد اللہ سیّاح قدس سرہٗ،الہی بحرمت راز و نیاز حضرت شیخ بایزید متوکل قدس سرہٗ،الہی بحرمت راز و نیاز حضرت دانیال پارسا قدس سرہٗ،الہی بحرمت راز و نیاز حضرت شیخ داود قدس سرہٗ،الہی بحرمت راز و نیاز حضرت شیخ یوسف بری قدس سرہٗ،الہی بحرمت راز و نیاز حضرت راجو قتّال قدس سرہٗ،الہی بحرمت راز و نیاز حضرت مخدوم مخدوم جہانیاں قدس سرہٗ،الہی بحرمت راز و نیاز حضرت خواجہ کبیر الدین قدس سرہٗ،الہی بحرمت راز و نیاز حضرت جلال الدین حسنی بخاری قدس سرہٗ،الہی بحرمت راز و نیاز حضرت شیخ بہاء الدین ذکریا قدس سرہٗ،الہی بحرمت راز و نیاز حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہٗ،الہی بحرمت راز و نیاز حضرت خواجہ ضیاالدین عبد القادر قدس سرہٗ،الہی بحرمت راز و نیاز حضرت خواجہ وجیہ الدین قدس سرہٗ،الہی بحرمت راز و نیاز حضرت خواجہ محمدی عبد اللّٰہ المعروف بہ عمویہ قدس سرہٗ،الہی بحرمت راز و نیاز حضرت خواجہ ابی احمد دینوری قدس سرہٗ،الہی بحرمت راز و نیاز حضرت خواجہ ممشاد علودینوری قدس سرہٗ،الہی بحرمت راز و نیاز حضرت خواجہ جنید بغدادی قدس سرہٗ،الہی بحرمت راز و نیاز حضرت خواجہ سری سقطی قدس سرہٗ،الہی بحرمت راز و نیاز حضرت خواجہ معروف کرخی قدس سرہٗ،الہی بحرمت راز و نیاز حضرت خواجہ داود طائی قدس سرہٗ،الہی بحرمت راز و نیاز حضرت خواجہ حبیب عجمی قدس سرہٗ،الہی بحرمت راز و نیاز حضرت خواجہ حسن بصری قدس سرہٗ،الہی بحرمت راز و نیاز حضرت امام المتقین علی ابن ابی

طالب کرم الله وجههٗ،الهی بحرمت راز و نیاز حضرت خواجه کائنات مفخر موجودات رحمت عالمیان و صفوت آدمیان تتمه دور الزمان احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی الله علیه وسلم ''

(مصالح الطالبین؛ شاہ پیر محمد لکھنوی؛ص ۹۶۔۹۲)

مناقب الاسرار میں خود حضرت شاہ پیر محمد قدس سرہٗ کے حوالے سے حضرت شاہ عبداللہ سیاحؒ سے ملاقات کا جو ذکر موجود ہے اور سابقاً جس کا ذکر کیا جا چکا ہے وہ قدرے تفصیلی ہے۔ چنانچہ اس کے مطابق حضرت عبداللہ سیاح کے حلقۂ ارادت میں داخل ہونے کے بعد حضرت شاہ پیر محمد قدس سرہٗ نے ان کی ساری خدمات اپنے ذمہ لے لیں دس مہینے کی مدت تک رات و دن اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر رہ کر فوز و فیوض سے ہمکنار ہوتے رہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ سیاح کے وضو کا آفتابہ بھی اپنے ساتھ رکھتے اور سائے کی طرح ہر وقت ان کے قدموں میں رہتے' ہر نماز کے وقت وضو کرانا' تلاوت کے لئے مصحف شریف پیش کرنا وغیرہ جیسی خدمات اپنے سے وابستہ کر لی تھیں۔حضرت عبداللہ سیاح بہ نفس نفیس' حضرت شاہ پیر محمد کو علوم عقلی و نقلی کی تعلیم بھی دیتے تھے۔ چنانچہ دس مہینے کی مدت کی حاضر باشی میں حضرت عبداللہ سیاح نے ارشاد قاضی شہاب الدین' بحث عدل تک شرح ملا جامی اور منطق میں تہذیب کا بالاستیعاب حضرت شاہ پیر محمد کو درس دیا اور اس کے علاوہ علم سلوک و طریقت اور معارف و ذوقیات میں بھی کمال عنایت و مہربانی کے ساتھ افادہ فرماتے تھے اور شریعت و طریقت کی اس تعلیم و تعلم کا دور عشاء اور تہجد کے وقت ہوتا تھا اور دیگر اوقات میں بھی۔حضرت شاہ پیر محمد قدس سرہ جس چیز کو صفحۂ قرطاس پر لکھنا چاہتے تھے اسے وہاں لکھتے تھے اور جسے ورق دل پر لکھنا چاہتے اسے وہاں لکھ لیتے تھے۔ رجب ۱۰۴۰ھ میں حضرت عبداللہ سیاح نے حضرت شاہ پیر محمد کو میر حسینی سادات کی نزھتہ الارواح کا درس دینا شروع کیا اور رمضان کے آخر تک نصف سے زائد کتاب پڑھا کر انہیں سند عطا کر دی۔۳ رشوال المکرّم ۱۰۴۰ھ کو قصبہ مالوہ سے حضرت عبداللہ سیّاحؒ اپنے دونوں رفقا کے ساتھ بنگال کے سفر پر روانہ ہو گئے اور حضرت شاہ پیر محمد قدس سرہ کو لکھنو جا کر اکتساب علمی اور ریاضت و مجاہدے میں مشغول ہونے کا حکم دیا۔ چنانچہ حضرت شاہ پیر محمدؒ لکھنؤ تشریف لائے اور چوک میں واقع حضرت شمس مداری کے روضے میں مقیم ہو گئے پھر کچھ دنوں کے بعد حضرت مخدوم شاہ مینا کی درگاہ کے ایک حجرے میں اقامت اختیار کر لی اور ریاضت و مجاہدہ کے ساتھ اکتساب علمی میں مشغول ہو گئے اور ملا عبدالقادر قاضی لکھنؤ سے کچھ کتابیں پڑھیں اور ابھی شرح وقایہ اور مَنار کا درس چل رہا تھا کہ ۷ رربیع الاول ۱۰۴۳ھ کو پھر حضرت شیخ عبداللہ سیاح بنگال سے واپس لکھنؤ تشریف لائے اور حضرت شاہ پیر محمدؒ کی باطنی ترقی و پیشرفت کا مشاہدہ فرما کر اپنے قلیل مدت قیام میں فیوضات کثیرہ سے بہرہ مند فرمایا اور سلسلہ چشتیہ' قادریہ وسہروردیہ کا مجاز فرمایا اور ان سلاسل کے علاوہ شطّاریہ اور زاہدیہ گویا پانچوں سلاسل کی تلقین واذکار واشغال اور سالکین کی رشد و ہدایت وارشاد اور تربیت و تعلیم اذکار واشغال کی اجازت و خلافت مرحمت فرمائی۔ ۲۷ رربیع الاول ۱۰۴۳ھ کو حضرت عبداللہ سیاح نے انہیں علوم ظاہری سے فراغت کر کے کچھ دنوں کے لئے دہلی جا کر کسب علوم ظاہری و باطنی کی وصیت فرمائی اور خود دکن کے سفر پر روانہ ہو گئے۔ چنانچہ حسب امر مرشد حضرت شاہ پیر محمد قدس سرہ نے

دہلی میں آخوند حیدر سے علوم ظاہری میں فاتحہ فراغ پڑھا۔اسی دوران حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کی قدس سرہٗ کے روضے میں پھر حضرت عبداللہ سیاح سے انہیں شرف ملاقات حاصل ہوا اور یہ مدت ملاقات بھی اگرچہ قلیل تھی لیکن کثرت فوز و فیوض سے لبریز تھی۔اس ملاقات میں حضرت عبداللہ سیاح نے حضرت شاہ پیر محمد کو عوارف المعارف اور جواھر خمسہ کی سند و اجازت عطا فرمائی اور اجمیر جا کر حضرت سلطان الہند کے روضۂ مبارکہ میں چلہ کش ہونے کا حکم دیا اور خود ملتان و ہرات اور بغداد کے راستے شام کے لئے روانہ ہو گئے۔ چنانچہ حضرت شاہ پیر محمد قدس سرہٗ اپنے مرشد و شیخ کے سارے احکام کی بجا آوری کے بعد حسب منشائے شیخ لکھنو واپس تشریف لائے اور دریائے گومتی کے کنارے جہاں آج ان کا روضہ واقع ہے وہیں فروکش ہوئے اور مسند درس و ارشاد مزین فرمائی۔حضرت عبداللہ سیاح سے حضرت شاہ پیر محمد کی غالبًا یہ آخری ملاقات تھی جو حضرت قطب الدین بختیار کا کی کے روضے میں ہوئی تھی۔

حضرت شاہ پیر محمد قدس سرہ العزیز نے اقامت لکھنو کے دوران اپنے وطن جونپور کا سفر کیا اور اس سفر میں حضرت مخدوم الملک' حضرت شیخ محمد ماہ' حضرت شیخ عبد الرشید اور حضرت سید عبد الباری قدست اسرارہم نے حضرت شاہ پیر محمد قدس سرہٗ کی ضیافت اور پذیرائی شایان شان کی تھی۔اسی سفر جونپور کے بعد وہیں سے حضرت شاہ پیر محمد عظیم آباد پٹنہ کی طرف روانہ ہوئے اور وہاں کے مشائخ سے ملاقاتیں رہیں۔ پھر لکھنؤ واپس چلے آئے اور درس و تدریس' تلقین و ارشاد میں مشغول ہو گئے۔صاحب بحر ذخار نے واضح طور پر لکھا ہے کہ ۱۰۷۹ھ میں حضرت شاہ پیر محمد قدس سرہٗ کا ستاون سال کی عمر میں وصال ہوا اور مادۂ تاریخ وصال ''**لا خوف علیھم و لا ھم یحزنون** '' سے نکلتا ہے۔ طریقۂ جمل کے اعتبار سے اس جزو آیت کی قیمت ۱۰۸۵ ہوتی ہے اور صاحب بحر ذخار بالوضوح ۱۰۷۹ھ بھی تحریر کرتے ہیں۔ایسی صورت میں اختلاف قول کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور اگر جزو آیت کی قیمت بغیر 'ولا' کی واو کے شمار کی جائے تو پھر اختلاف باقی نہیں رہتا۔اس ضمن میں مزید تحقیق و تفحص راقم کے پیش نظر ہے اور کوئی حتمی نتیجہ گیری کر کے اہل علم کے سامنے لانے کی سعی کی جا رہی ہے۔**وما توفیقی الا باللہ**

حضرت شاہ پیر محمد قدس سرہٗ العزیز علم و فضل میں نابغۂ عصر اور یکتائے زمانہ تھے۔آپ کی تصنیفات و تالیفات کئی ہیں جن میں ترتیب الصلوۃ' مصالح الطالبین' حاشیہ ہدایہ' سراج الحکمۃ حاشیہ ہدایت الحکمۃ' منازل اربعہ' خلاصۃ النفحات' برھان العاشقین' مکتوبات شاہ پیر محمد' درجات خمسہ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔آپ کی ایک اور تصنیف جس کا ذکر کرنا مناسب ہے اور جو ابھی تک کہیں مذکور نہیں ملی ہے اربعین ہے جو عرفان و تصوف کے اسرار و رموز و دقائق اور چالیس نصیحتوں پر مشتمل حضرت شاہ پیر محمد قدس سرہٗ نے مخدوم شاہ دولت منیری قدس سرہٗ کو لکھ کر بھیجی تھی۔راقم نے اپنے والد ماجد جمال المقربین حضرت مولانا الحاج سید شاہ محمد خورشید جمال علیہ الرحمۃ والغفر ان سے حضرت شاہ پیر محمد قدس سرہٗ کی اس تصنیف کا ذکر سنا ہے جو منیر شریف کی خانقاہ کے کتاب خانے میں محفوظ ہے۔ چونکہ حضرت والد ماجد علیہ الرحمۃ حضرت شاہ پیر محمد قدس سرہٗ کے خلیفۂ ارشد و مسترشد و مرید حضرت سراج السالکین شاہ پیر نظر قدس سرہٗ العزیز کی خانقاہ نظریہ واقع نبی گنج چھپرہ کے زیب سجادہ تھے اس لئے حضرت شاہ پیر محمد قدس سرہٗ سے متعلق مزید اطلاعات جو ہمارے خانوادے کی بیاضوں میں محفوظ ہیں وہ بھی استناد و اعتبار کے مقیاس پر کامل اترتی ہیں۔

لکھنو میں اقامت اختیار کرنے کے بعد حضرت سلطان الاولیا شاہ پیر محمد قدس سرہٗ نے مسند درس وتدریس اور سجادۂ تلقین آراستہ فرمایا جس سے جوق در جوق لوگوں نے اکتساب فیض کیا۔ چنانچہ صاحب مناقب الاسرار نے اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اپنے قیام کے شروع سے اب تک حضرت میاں صاحب کے استفاضہ واستفادہ کا سلسلہ جاری ہے اور طالبین ومحتاجوں کی کثیر جماعت حاضر ہو کر فیض پاتی ہے۔ظاہر ہے مناقب الاسرار کا یہ بیان حضرت کی حیات کا ہے اس لئے مصنف نے جو دیکھا وہ رقم کیا ہے۔ چنانچہ راقم ہیں؛

''۔۔۔وبموجب فرمودہ حضرت شاہ در بلدۂ لکھنو استقامہ بحکم **فاستقم کماامرت** گزیدہ اجرای چشمۂ احکام شریعت وطریقت وھدایت طریق حقیقت و معرفت عامہ خلایق مشارق و مغارب موافق استعداد ھر یك از بحار علوم ظاھروباطن ودفع حوائج ھر قسم چنانچہ افواج طالبان و محتاجان ھر طرز از موّاج کرم و لطف ایشان بہرہ یافتہ می آیند و می روند۔۔۔''

(مناقب الاسرار؛ ھماں،ص۱۰)

حضرت سلطان الاولیا شاہ پیر محمد قدس سرہٗ کے سرچشمہ علوم وعرفان اور مبلغ علمی ومصدر قلبی سے فیضیاب ہونے والوں میں قابل ذکر نام حضرت شاہ محمد آفاق بہاری ثم لکھنوی، شیخ فتح لکھنوی، حضرت شاہ دولت، حضرت میر مرتضٰی اور حضرت سراج السالکین شاہ پیر نظر قدست اسرارہم کے ہیں جو حضرت سلطان الاولیا کی نگاہ کیمیا اثر سے خود کیمیا گر ہوئے اور جنہوں نے ارشاد وتلقین اور ہدایت وتعلیم کی مسانید آراستہ کیں۔

حضرت شاہ پیر محمد قدس سرہٗ کی تصنیفات کا ذکر اجمالی طور پر قبلاً کیا گیا اور ساری تصنیفات پر تفصیلی گفتگو کا موقع نہیں ہے اس لئے صرف مکتوبات شاہ پیر محمد لکھنوی کے سلسلے میں کچھ باتیں عرض کر رہا ہوں۔

مکتوبات شاہ پیر محمد انیس (۱۹) مکتوبات کا مجموعہ ہے جس کے جامع شیخ ابوالمکارم ہیں۔ جامع مکتوبات نے ابتدا میں اپنے مقدمے میں یوں تحریر کیا ہے کہ چونکہ مدت عمر میں اس حقیر سراپا تقصیر سے کوئی ایسا کارنامہ انجام نہیں پایا کہ جو سعادت جاودانی اور نجات دوجہانی کا سبب ہوا اس لئے اس نے بہت تأمّل اور تعمّق کے بعد ان مکاتیب کی جمع آوری کا ارادہ کیا۔ چنانچہ جامع مکتوبات کے قول کے مطابق؛

''۔۔۔بعد از تأمل بسیار و تعمق بی شمار در خاطر افکار چنان قرار یافت کہ مکتوبات نہنگ دریای توحید و ھز بر بیشۂ تفرید ،رموزدان عالم غیب ،اسرار خوان لاریب، نقاد حقایق ومعارف،

کشاف دقایق ولطایف حضرت پیردستگیر شاہ پیر محمد سلمه الله تعالیٰ علی مفارق المریدین والمسترشدین را که درمخاطبه بعضی از مخلصان و مجاد به جمعی از مخصوصان خود درسمت تحریر وسلك تقریر آورده اند و نفع تام وفایده علی الدوام نسبت به خواص وعوام بمطالعه آن منوط ومربوط است، وسیلهٔ مطلوب و ذریعه مقصودخودسازد بنابر آن نوزده مکتوب حقایق اسلوب که این مستمند بقدرفهم ودانش خود بر حقایق و دقایق آنهااطلاع یافته در حیز جمع آورد۔۔۔"

(مکتوبات شاہ پیر محمد لکھنوی؛ص۲۔۳)

انیس مکتوبات کے اس مجموعے میں سید محمد شفیع، شاہ محمد دولت اور شاہ نور محمد کے نام چار چار مکاتیب، میر سید فتح محمد کے نام دو اور شیخ عبدالدائم، شیخ معظم، شیخ محمد زماں، شیخ ابوالمکارم اور شیخ محمد منیف کے نام ایک ایک مکتوب ہیں۔

یہ سارے مکاتیب تصوف وعرفان کے دقیق نکات اور باریک موضوعات پر ایسے مکتوب الیہم کو لکھے گئے ہیں جوان رموز واسرار کے افہام وتفہیم کا کامل ملکہ رکھتے تھے اور جن کی تربیت سلوک ومعارف ہی مقصود تھی۔ان مکاتیب کی زبان اور مضمون دونوں نہایت عالمانہ ہیں، جو کاتب وکتیب کی بلاغت علمی پر استناد ہیں۔حضرت شاہ پیر محمد قدس سرہٗ کے یہ مکاتیب علم وعرفان کا بیش بہا خزینہ ہیں اور ایسا سرچشمہ ہیں جن سے تشنگان راہ کی وسعت کے ساتھ سیرابی ہوتی ہے۔انداز تحریر نہایت مسجع ومرصع ہے اور استشہاد وامثال کی جلوہ فرمائیوں کے ساتھ تلفیق نظم و نثر سے بھی مکاتیب مزین ہیں۔ جن موضوعات کی ان مکاتیب میں عقدہ کشائیاں کی گئی ہیں ان میں ما سوا اللہ، تخلیۂ قلب از دنیائے دوں، طلب صادق، افعال واعمال مخلصانہ اور بے غرضانہ پر ثابت قدمی اور تجرید وتفرید وغیرہ کے علاوہ اور بھی بہت سے نوادرات عرفان موجود ہیں جو سالکین راہ کے لئے مشعل وقندیل ہیں۔

مآخذ ومنابع:

مخطوطہ مناقب الاسرار؛عظمت اللہ بن مدینۃ اللہ جعفر نظام؛سبحان اللہ کلیکشن مولانا آزاد لائبریری،علیگڑھ؛شمار ۹۲۰/۴۱

مخطوطہ مکتوبات شاہ پیر محمد لکھنوی؛ شیخ ابوالمکارم؛حبیب گنج،مولانا آزاد لائبریری،علیگڑھ؛شمار ۲۱/۲۵۶

مخطوطہ مصالح الطالبین؛حضرت شاہ پیر محمد لکھنوی؛ حبیب گنج،مولانا آزاد لائبریری،علیگڑھ؛شمار ۲۱/۲۸

بحر ذخار؛وجیہ الدین اشرف؛تصحیح آذرمی دخت صفوی؛ مرکز تحقیقات فارسی،علیگڑھ

☆☆☆

ڈاکٹرای۔اے۔حیدری
ایسوسی ایٹ پروفیسر،شعبہ اردو،گورنمنٹ لوہیا کالج،چورو

مولانا ابوالکلام آزاد ایک باکمال انشاء پرداز

اس حقیقت سے ادب وتاریخ کا کوئی بھی اسکالر انکار نہیں کرسکتا ہے کہ مولانا ابوالکلام آزاد ایک نابغۂ روزگار شخصیت تھے۔وہ ایسے عہد میں پلے بڑھے جب ہندوستان کو قربانی دینے والوں کی ضرورت تھی اس لئے مولانا آزاد نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ ملک وقوم کی خدمت کے لئے وقف کردیا۔مولانا ابوالکلام آزاد کو جن نامساعد حالات کا سامنا کرنا پڑا اس کی ترجمانی کے لئے پروفیسر فضل امام رضوی کا یہ بیان ملاحظہ کیجئے

> وہ تاریخ کے اس دوراہے پر کھڑے تھے جہاں سے کسی ایک راستہ کو اپنا لینا انتھائی دشوار گذار تھا مگر وہ بے خوف وخطر اس راستے پر گامزن ہوگئے جوان کی آزادیٔ ضمیر کے جوہر کو انمول بنانے والا تھا۔مولانا کے لئے یہ دور انتھائی نازک تھا۔جس راستے پر وہ گامزن ہوئے وہ تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک تھا۔(۱)

مولانا آزاد کی شخصیت بقول پروفیسر فضل امام'ایک طرح کا مثلث ہے جو سیاست ادب اور مذہب کے زاویوں میں جلوہ گر ہوتی ہے'(۲) آزاد کی سیاسی اور مذہبی زندگی ہر چند میرا موضوع نہیں ہے لیکن مقالے کے بعض مباحث کے لئے ضمناً کچھ باتیں عرض کرنا ضروری ہیں۔

مولانا آزاد کی سیاسی زندگی بڑی پرخار تھی انہیں متعدد بار گرفتار کیا گیا۔پہلی بار رانچی جیل میں ۳ سال ۹ ماہ گزارے۔دوسری بار ایک سال تک قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں۔تیسری گرفتاری کی مدت ۶ ماہ اور چوتھی گرفتاری کی مدت ۲ ماہ تھی ۔پانچویں بار جب وہ گرفتار ہوئے تو عمر عزیز کے ۱۱ ماہ جیل کی سختیوں میں بسر کئے۔چھٹی اور آخری بار ۳ سال ۲۴ دن قید میں بسر کئے۔مولانا آزاد اپنے وطن عزیز ہندوستان کو آزاد دیکھنا چاہتے تھے اس کے لئے ۱۹۱۶ء سے ۱۹۴۵ء تک کے عرصہ میں چھ بار قید وبند کی مشقتوں کو برداشت کیا۔قید وبند کے دوران ہی ان کی اہلیہ کا انتقال ہوا،مولانا نے اپنی بیوی کے انتقال پر پیرول حاصل کر کے آخری رسوم میں شامل ہونا بھی گوارانہ کیا یہ بظاہر بہت اہم شئے نہیں مگر اس کرب کو وہی سمجھے گا جو اس درد سے گزرا ہو۔انہوں نے کسی بھی سطح پر انگریزوں سے مفاہمت گوارانہ کی۔ان کے پائے ثبات میں اس وقت بھی لغزش پیدا نہ ہوسکی جب ان کو ناقابل بیان پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ان کے اسی عزم وہمت کو دیکھ کر ان کے دوست ہی نہیں دشمن بھی ان کی فکری بصیرت وذہنی جودت کے معترف ہیں۔

رانچی جیل کے دوران ترجمان القران کی دو جلدیں اور میرٹھ جیل میں اس کی تیسری جلد تحریر کی۔ قلعہ احمد نگر کی اسیری کے زمانے

میں ۱۹۴۲ء تا ۱۹۴۵ء مولانا حبیب الرحمان شیروانی کے نام لکھے شوقیہ خطوط کا مجموعہ غبار خاطر ہے۔

بارہ برس کی عمر میں مولانا آزاد کی ادبی زندگی کی شروعات ہوئی ابتداء میں شاعری کی پھر نثر کی طرف مائل ہوئے اور ۱۸۹۹ء میں نیرنگ عالم جاری کیا۔ ۱۹۰۰ء میں المصباح اور ۱۹۰۳ء میں لسان الصدق جاری کیا۔

صحافت وسیاست کا چولی دامن کا ساتھ ہے نتیجہ یہ کہ آزاد عملی طور پر سیاست میں داخل ہوگئے۔ ۱۸۸۵ء میں انڈین نیشنل کانگریس قائم ہوئی تھی' سرسید احمد خاں جس کے مخالف تھے مگر مولانا آزاد نے اس کی حمایت کی۔۱۳جنوری ۱۹۱۲ء سے مولانا نے رسالہ الہلال جاری کیا یہ سیاسی و مذہبی نوعیت کا رسالہ تھا اس کے اثرات بڑے دوررس ثابت ہوئے۔ ۱۹۱۵ء میں رسالہ البلاغ جاری کیا، یہ دونوں رسالے علمی ادبی اورسیاسی آگہی کے لئے بے حد مفید ثابت ہوئے۔مولانا آزاد کی صحافتی خدمات پر پروفیسر فضل امام رضوی نے لکھا ہے کہ

> وہ صحافت جس کو انہوں نے اپنی جولانی قلم سے ادبیت عطا کردی اور جب دنیائے فصاحت کے مطلع عالم تاب پر ان کی بلاغت کے شب وروز الہلال بن کر نمودار ہونے لگے تو اس کا 'تذکرہ' بڑی آزادی سے ہونے لگا اور ان کے قلم کی 'الہلالی' تنویریں 'لسان الصدق' بن کر قرآن حکیم کی ترجمانی کرنے لگیں۔انہیں جب قید خانے کی اندھیری کوٹھری میں نور سحر ملا تو 'غبار' خاطر کے روپ میں قندیل ادب نگاہوں نگاہوں کو نگارخانۂ انانیت کے جلوۂ صد رنگ دکھانے لگی۔۔۔انہوں نے اپنے رشحات قلم سے حریم قوم ووطن کے افسانوں پر شعروادب کے صنم سجادیئے اور شعروشریعت کے تضادات کو ایسا ہم آہنگ کردیا کہ ان کے ادبی سبو میں جہاں حافظ شیراز کے مطہر قطرات ہیں وہیں غزالی کے تلقینی افکار بھی (۳)

مولانا آزاد کی تحریر ہو یا تقریر،تبصرے ہوں یا خطبے،تفسیر ہو یا تحقیق سب میں ادبیت موجود ہے۔ان کا اسلوب محض خطیبانہ یا شاعرانہ نہیں اس میں تزئین کے تمام ترنقش ونگار موجود ہیں۔تشبیہ،استعارہ، کنایہ،طنز وظرافت،محاورات وضرب الامثال وغیرہ کا وہ کثرت سے استعمال کرتے ہیں لیکن ان کے استعمال سے ان کا مقصد نثر میں شعریت پیدا کرنا نہیں، وہ نثر کو زیادہ سے زیادہ حسین،سلیس اور پر اثر بنانا چاہتے ہیں جس سے مقصد کی تبلیغ میں مدد ملتی ہے اور اظہار کی تاثیر میں اضافہ ہوجاتا ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے جس دور میں شعوری بالیدگی حاصل کی وہ دور مغربی زبان وادب کے غلبہ کا دور تھا اور کوئی بھی حساس ادیب وشاعر اپنے عہد کے رجحان سے بالکل بے اعتنا نہیں ہوسکتا چنانچہ مولانا آزاد نے عربی وفارسی کے علاوہ انگریزی وفرانسیسی زبان وادب کا بھی مطالعہ کیا لیکن عربی وفارسی کے ذریعہ ان کا ذہن پختہ ہو چکا تھا اور اسلامی علوم وفنون ان کے رگ وپے میں سرایت کر چکے تھے لہٰذا مغربی ادبیات سے بہرہ ور ہونے کے باوجود ان کا مزاج مشرقی رہا اور وہ کورانہ پیروئ مغرب کی طرف مائل نہیں ہوئے۔مولانا آزاد کو اپنے مقصد کے حصول کے لئے نئی نسل سے اس کی زبان اور اس کی فکر کے مطابق بات کرنی تھی اس لئے انتہائی فنکارانہ انداز میں اپنے مشرقی اسلوب نگارش میں مغربی طرز بیان کی خوبیاں بھی پیدا کرلیں۔وہ جس بھی موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں اس کے تمام امکانی پہلوؤں کا تجزیہ اس طرح کرتے ہیں کہ اس کی ایک تصویر سی قاری کی نگاہوں کے سامنے کھنچ جاتی ہے اور اس تصویر کشی میں اکثر حسی پیکروں کو استعمال کرتے ہیں اور حسی

پیکروں کے بہ کثرت استعمال کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اکثر مجردتصورات بھی مجسم ہوکر سامنے آجاتے ہیں اور براہ راست قاری کے دل ودماغ کو متأثر کرتے ہیں

مولانا انتہائی باذوق اورحساس فن کار تھے جن کی صلاحیتوں پر سیاسی ومعاشرتی مصروفیات نے گہرے پردے ڈال دیئے انہوں نے جو کچھ لکھاوہ انتہائی ہنگامہ آرائیوں کے دور میں لکھا۔ان کے دل ودماغ میں علوم وفنون کا ایک دریا موجیں مارر ہا تھا جس کا فیض وہ دوسروں تک پہنچانا چاہتے تھے وقت مہلت دیتا تو وہ صرف خدمت قلم کرتے مگر قومی وملکی معاملات نے انہیں اتنا وقت نہیں دیا جتنا ان کی خواہش تھی اس کا احساس انہیں تاعمر ستاتا رہا۔اس درد پر سے پردہ انہوں نے اپنے دوست غلام مہر کو لکھے ایک خط میں اس طرح اٹھایا ہے

بعض اوقات سوچتا ہوں تو طبیعت پر حسرت والم کا ایک عجیب عالم طاری ہوجاتا ہے۔مذہب،علوم وفنون،ادب،انشاء شاعری کوئی ایسی وادی نہیں جس کی بے شمار راہیں مبداء فیاض نے مجھ نامراد کے دل ودماغ پر نہ کھول دی ہوں اور ہر آن،ہرلحظہ، بخششوں سے دامن مالا مال نہ ہوا ہو۔بحد یکہ ہرروز اپنے آپ کو عالم معنی کے ایک نئے مقام پر پاتا ہوں اور ہرمنزل کی کرشمہ سنجیاں پچھلی منزلوں کی جلوہ طرازیوں کو ماند کردیتی ہیں(۴)

مولانا کی نثر کو عبارت آرائی،خطابت یا صحافت تک محدود نہیں کیا جاسکتا۔اس میں مولانا کا سارا وجود ساری علمیت اور ساری فنکارانہ مہارت کی جلوہ گری موجود ہے۔مولانا نے اکثر وبیشتر مضامین جس روا روی میں لکھے ہیں اس سے واقف ہونے کے بعد ان پر آورد کا الزام نہیں لگایا جاسکتا۔جنھوں نے مولانا کے خطبے سنے ہیں وہ اس بات سے واقف ہیں تمام شاعرانہ فضا اور فنی لطافتیں ان کے قلم اوران کی زبان پر بےروک ٹوک آجاتی ہیں۔

مولانا آزاد کی نثر نگاری کا دوسرا اسلوب وہ ہے جو ہمیں ترجمان القران یا تذکرہ میں دکھائی دیتا ہے اس میں ذہانت،متانت اور علمیت کا پہلو بہت نمایاں ہے اور خطیبانہ انداز بہت کم ہے مگر ان دونوں اسالیب نثر سے قدرے مختلف ان کا وہ اسلوب ہے جو غبار خاطر اوران کے دیگر مکاتیب میں ہم کو دکھائی دیتا ہے۔مولانا کے مکتوب الیہ مولانا کے مزاج شناس ہیں اس لئے مولانا اپنی انانیت کا بھرم قائم رکھتے ہوئے اپنی زندگی کے رازہائے سر بستہ سے پردے اٹھاتے دکھائی دیتے ہیں۔ان مکاتیب میں مولانا کا انداز رازدارانہ اور معشوقانہ ہے اس لئے وہ ان میں اپنے نہاں خانہ دل کے ان دریچوں کو بھی وا کردیتے ہیں جن کو ان کی گوشہ نشینی کی چادر نے ڈھانپ رکھا تھا۔ان میں ایک طرح کی کیف ومستی کا عالم دکھائی دیتا ہے۔یہاں بےتکلفی کی ایک آراستہ محفل ہے جس میں

آہستہ آہستہ مولانا کی شخصیت بےنقاب ہوتی چلی جاتی ہے۔اسی لئے ان مکاتیب پر بلاتکلف انشائیہ کا اطلاق کیا جاسکتا ہے۔

انشائیہ کا بنیادی وصف یہ ہے کہ اس میں ہمیں مضمون نگار کا شخصی انداز ملتا ہے۔یہاں مصنف اپنی شخصیت کی مہر لگاتا ہے۔انشائیہ نگار ادیب ہوتا ہے اور ادیب ہونے کے رشتے سے وہ زندگی کا نقاد اوراس کا مبصر ہوتا ہے،اس لئے وہ انشائیہ لکھتے وقت بھی زندگی سے بے نیاز نہیں رہتا،وہ اس سے الجھتا اوراس کو سلجھاتا رہتا ہے وہ دنیا کو دیکھتا ہے لیکن اس کا اظہار اپنے انداز سے کرتا ہے۔غبار خاطر سے مولانا ابوالکلام

کے ایک خط کا یہ اقتباس ملاحظہ کیجئے

۔۔۔ایک فلسفی،ایک زاہد،ایک سادھو کا خشک چہرہ بنا کر ہم اس مرقعے میں کھپ نہیں سکتے،جو نقاش فطرت کے موقلم نے یہاں کھینچ دیا ہے۔جس مرقعے میں سورج کی چمکتی ہوئی پیشانی،چاند کا ہنستا ہوا چہرہ،ستاروں کی چمک،درختوں کا رقص،پرندوں کا نغمہ،آب رواں کا ترنم اور پھولوں کی رنگین ادائیں اپنی اپنی جلوہ طرازیاں رکھتی ہوں اس میں ہم ایک بجھے ہوئے دل اور سوکھے ہوئے چہرے کے ساتھ جگہ پانے کے یقیناً مستحق نہیں ہوسکتے۔فطرت کی اس بزم نشاط میں تو وہی زندگی سج سکتی ہے جو ایک دہکتا ہوا دل پہلو میں اور چمکتی ہوئی پیشانی چہرے پر رکھتی ہو اور جو چاندنی میں چاند کی طرح نکھر کر،ستاروں کی چھاؤں میں ستاروں کی طرح چمک کر،پھولوں کی صف میں پھولوں کی طرح کھل کر اپنی جگہ نکال سکتی ہو۔(۵)

انشائیہ نگار اپنے موضوع کو غیر جانب داری سے پیش کرتا ہے اور حقیقتوں کا غیر جذباتی ہو کر تجزیہ کرتا ہے۔انشائیہ میں انشائیہ نگار اپنے تجربے اپنے انداز سے بیان کرتا ہے اور یہ تجربے اس کے داخلی احساسات کا ایک جزو بن جاتے ہیں،جہاں واقعات سے زیادہ واقعات کے ردعمل سے سروکار رہوتا ہے مولانا صلاح الدین احمد نے انشائیہ کے بارے میں بڑی خوبصورت بات کہی ہے کہ'انھیں پڑھ کر ناظر کی کیفیت اس بچے کی سی ہو جاتی ہے جو اسکول میں دیر سے پہنچا ہو اور جس نے گھر کا کام بھی نہ کیا ہو لیکن اس کے ہاتھوں پر بید پڑنے کے بجائے الٹے برفی اور قلاقند کے دو بڑے لفافے تھما دیئے جائیں'(۶)ملاحظہ کیجئے ذیل کا اقتباس جس میں مولانا آزاد نے چائے کے باب میں اپنے تجربات کس خوبصورت انداز میں بیان کئے ہیں

شاید آپ کو معلوم نہیں کہ چائے کے باب میں میرے بعض اختیارات ہیں۔میں نے چائے کی لطافت وشیرینی کو تمباکو کی تندی وتلخی سے ترکیب دے کر ایک کیف مرکب پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔میں چائے کے پہلے گھونٹ کے ساتھ ہی متصلاً ایک سگریٹ بھی سلگا لیا کرتا ہوں پھر اس ترکیب خاص کا نقش عمل یوں جماتا ہوں کہ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد چائے کا ایک گھونٹ لوں گا اور متصلاً سگریٹ کا بھی ایک کش لیتا رہوں گا علمی اصطلاح میں اس صورت حال کو علی السبیل التوالی والتعاقب کہتے ہیں۔اس طرح اس سلسلہ عمل کی ہر کڑی چائے کے ایک گھونٹ اور سگریٹ کے ایک کش کے باہمی امتزاج سے بتدریج ڈھلتی جاتی ہے اور سلسلہ کاردراز ہوتا رہتا ہے۔(۷)

انشائیہ کے اپنے آداب ہوتے ہیں۔انشائیہ کی محفل ایک بزم بے تکلف ہے جہاں انسان اپنے دل کی بات مزے لے کر بیان کرتا ہے اس کے لئے کوئی پابندی نہیں ہوتی کہ یہ کہے اور وہ نہ کہے،اسی لئے انشائیہ میں موضوع کی کوئی قید نہیں،اس کی تکنیک کے بندھے ٹکے اصول بھی نہیں ہوتے۔انشائیہ اتنا نازک ہوتا ہے کہ وہ کسی قسم کا بوجھ برداشت نہیں کرسکتا،چنانچہ انشائیہ لکھنے والا اپنی بات کہنے کے لئے کوئی ڈھانچہ نہیں بناتا۔ڈاکٹر وزیر آغا نے اپنے مضمون انشائیہ کیا ہے میں انشائیہ لکھنے والے کی شخصیت کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ'انشائیہ کا خالق اس شخص کی طرح ہے جو دفتر کی چھٹی کے بعد اپنے گھر پہنچتا ہے اور چست وتنگ لباس اتار کر ڈھیلے ڈھالے کپڑے پہن لیتا ہے اور ایک

آرام دہ مونڈھے پر نیم دراز ہو کر حقے کی نے ہاتھ میں لئے انتہائی بشاشت اور مسرت سے اپنے احباب سے مصروف گفتگو ہو جاتا ہے' (۸) یہاں ادب کے میکانیکی عمل سے ہٹ کر زندگی کا مطالعہ نظر آتا ہے اور اس کام میں لکھنے والے کی اپنی داخلی کیفیت رہ نما بن جاتی ہے۔ یہ کیفیت ابوالکلام کے اکثر خطوں میں ہمیں دکھائی دیتی ہے۔غبار خاطر اور بعض دیگر خطوط کے بارے میں میرے استاد پروفیسر ملک زادہ منظور احمد اکثر کہا کرتے تھے کہ یہ انشائیے ہیں بس ابتداء میں صدیق محترم اور آخر میں ابوالکلام کو حذف کر کے دیکھئے۔ پروفیسر ملک زادہ منظور کے نظریئے کی تائید کے لئے غبار خاطر کا یہ حصہ ملاحظہ کیجئے

احاطہ کے شمالی کنارے میں ایک پرانی ٹوٹی ہوئی قبر ہے۔نیم کے ایک درخت کی شاخیں اس پر سایہ کرنے کی کوشش کر رہی ہیں مگر کامیاب نہیں ہوتیں۔قبر کے سرہانے ایک چھوٹا سا طاق ہے۔طاق اب چراغ سے خالی ہے مگر محراب کی رنگت بول رہی ہے کہ یہاں کبھی ایک دیا جلا کرتا تھا

اسی گھر میں جلایا ہے چراغ آرزو برسوں

معلوم نہیں یہ کس کی قبر ہے۔چاند بی بی کی ہو نہیں سکتی کیوں کہ اس کا مقبرہ قلعہ سے باہر ایک پہاڑی پر واقع ہے بہر حال کسی کی ہو مگر کوئی مجہول الحال شخصیت نہ ہوگی، ورنہ جہاں قلعہ کی تمام عمارتیں گرائی تھیں وہیں اسے بھی گرا دیا ہوتا۔سبحان اللہ اس روزگار خراب کی ویرانیاں بھی اپنی آبادیوں کے کرشمے رکھتی ہیں۔اس پرانی قبر کو ویران بھی ہونا تھا تو اس لئے کہ کبھی ہم زندانیان خراباتی کے شور و ہنگامہ سے آباد ہو(۹)

انشائیہ نگار زندگی کا نقاد بھی ہوتا ہے اور مبصر بھی اسی لئے وہ انشائیہ کے ذریعے اپنے تجربات کا نچوڑ پیش کرتا ہے یہ اور بات کہ اس کا مقصد اصلاح یا کسی مشن کی تبلیغ نہیں ہوتا، اس نے زندگی کو جس طرح برتا اور جس رنگ میں دیکھا ہے اسے وہ اپنی تمام تر داخلی کیفیات کے ساتھ پیش کر دیتا ہے البتہ چوں کہ اس کا مقصد زندگی کی تفصیلات نہیں اس لئے اختصار اور اختصار میں جامعیت اس کا اصول بن جاتا ہے وہ بات کو پھیلاتا نہیں، لفظوں کو چباتا نہیں، خیالات کا تجزیہ کرنے کے لئے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی علاحدہ نہیں کرتا گویا انشائیہ کا فن غزل گوئی کا فن ہے جہاں ایک شعر کے اندر ایک خیال سما جاتا ہے۔ابوالکلام کے یہاں غبار خاطر میں یہ پہلو بہت نمایاں ہے۔مثالیں تو غبار خاطر کے ہر صفحہ پر مل جائیں گی یہاں صرف ایک مثال بطور نمونہ پیش خدمت ہے

۔۔۔زندگی میں جتنے جرم کئے اور ان کی سزائیں پائیں سوچتا ہوں تو ان سے کہیں زیادہ تعداد ان جرموں کی تھی جو نہ کر سکے اور جن کے کرنے کی حسرت دل میں رہ گئی۔یہاں کردہ جرموں کی سزائیں تو مل جاتی ہیں لیکن ناکردہ جرموں کی حسرتوں کا صلہ کس سے مانگیں

ناکردہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے داد
یارب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے(۱۰)

ڈاکٹر محمد حسنین نے مقالے انشائیہ اور انشائیے میں انشائیہ اور مقالہ کا مقابلہ کرتے وقت صحیح لکھا ہے کہ 'انشائیہ سے بھی ہم کچھ پاتے ہیں،ایسی عزیز اور گم شدہ کیفیت جو ہمارے روز و شب میں آنکھوں سے اوجھل رہتی ہے ایسی لطف خیز فکر و فہم جو ٹھوس اور نا قابل انکار حقائق میں دبی اور نگاہوں سے رو پوش رہتی ہیں'(۱۱) انشائیہ میں ایسے تجربات کا ہونا ضروری ہے جن سے روز مرہ کی صداقت ابھر کر سامنے آتی ہو۔عام آدمی راہ میں پیش آنے والی جن باتوں کو نظر انداز کر دیتا ہے انشائیہ نگار انہی پر اپنی توجہ مرکوز کرتا ہے اور اسے پڑھ کر عام آدمی کو یہ احساس ہوتا ہے کہ یہ تو میری نظر سے بھی گزرا تھا۔غبار خاطر میں قدم قدم پر قاری کو یہ احساس ہوتا ہے بطور مثال ان کے چھٹے خط کا یہ حصہ دیکھئے

> ایک مذہب تو موروثی مذہب ہے کہ باپ دادا جو کچھ مانتے آئے ہیں مانتے رہئے۔ایک جغرافیائی مذہب ہے کہ زمین کے کسی خاص ٹکڑے میں ایک شاہ راہِ عام بن گئی ہے۔سب اسی پر چلتے ہیں،آپ بھی چلتے رہئے۔ایک مردم شماری کا مذہب ہے کہ مردم شماری کے کاغذات میں ایک خانہ مذہب کا بھی ہوتا ہے اس میں اسلام درج کرا دیجئے۔ایک رسمی مذہب ہے کہ رسموں اور تقریبوں کا ایک سانچہ ڈھل گیا ہے،اسے نہ چھیڑیئے اور اسی میں ڈھلتے رہئے،لیکن ان تمام مذہبوں کے علاوہ بھی مذہب کی ایک حقیقت باقی رہ جاتی ہے تعریف و امتیاز کے لئے اسے حقیقی مذہب کے نام سے پکارنا پڑتا ہے اور اسی کی راہ گم ہو جاتی ہے(۱۲)

انشائیہ نگار اپنے مضمون کے لئے پلاٹ نہیں بناتا بلکہ ایک خیال اس کے ذہن میں آتا ہے اور اس کے داخلی احساسات اس خیال سے رشتہ قائم کر لیتے ہیں شاید اسی لئے ڈاکٹر جانسن نے انشائیہ کو انسانی دماغ کی ڈھیلی ڈھالی اور بے پرواہ قسم کی اڑان کہا ہے It is a lose sally of mind

انشائیہ کے وجود میں آنے کا مقصد ہی یہ تھا کہ کسی بھی موضوع پر بغیر کسی اصول اور ضابطے کے اپنے خیالات کا آزادانہ طریقے سے اظہار کیا جائے اسی لئے انشائیہ نگار پر کوئی پابندی عائد نہیں ہوتی ابن کنول کے مطابق اس پر 'کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا بھان متی نے کنبہ جوڑا' والی مثل پوری طرح صادق آتی ہے'ابوالکلام کے اکثر خطوط میں یہ کیفیت آپ کو دکھائی دے گی کہ وہ لکھنے کے لئے پہلے سے کوئی خاکہ نہیں بناتے،کوئی خیال ان کے ذہن میں پیدا ہوتا ہے اور داخلی احساسات اس خیال سے رشتہ قائم کر لیتے ہیں اور ان کا اشہب جہندہ مائل پرواز ہو جاتا ہے

جوں ہی حالات کی رفتار قید و بند کا پیام لاتی ہے میں کوشش کرنے لگتا ہوں کہ اپنے آپ کو یک قلم بدل دوں میں اپنا پچھلا دماغ سر سے نکال دیتا ہوں اور ایک نئے دماغ سے اس کی خالی جگہ بھرنی چاہتا ہوں ۔حریم دل کے طاقوں کو دیکھتا ہوں کہ خالی ہو گئے تو کوشش کرتا ہوں کہ نئے نئے نقش و نگار بناؤں اور انھیں پھر سے آراستہ کروں

اگر آپ مجھے اس عالم میں دیکھیں تو خیال کریں، میری پچھلی زندگی مجھے قید خانہ کے دروازے تک پہنچا کر واپس چلی گئی اور اب ایک دوسری ہی زندگی سے سابقہ پڑا ہے، جو زندگی کل تک اپنی حالتوں میں گم اور خوش کامیوں اور دل شگفتگیوں سے بہت کم آشنا تھی آج اچانک ایسی زندگی کے قالب میں ڈھل گئی جو شگفتہ مزاجیوں اور خندہ روئیوں کے سوا اور کسی بات سے آشنا ہی نہیں ۔ہر وقت خوش رہو اور ہر ناگوار حالت کو خوش گوار بناؤ

قید خانہ کی چار دیواری کے اندر بھی سورج ہر روز چمکتا ہے اور چاندنی راتوں نے کبھی قیدی اور غیر قیدی میں امتیاز نہیں کیا ۔اندھیری راتوں میں جب آسمان کی قندیلیں روشن ہو جاتی ہیں، تو وہ صرف قید خانے کے باہر ہی نہیں چمکتیں، اسیران قید و محن کو بھی اپنی جلوہ فروشیوں کا پیام بھیجتی رہتی ہیں ۔صبح جب طاشیر بکھیرتی ہوئی آئے گی اور شام جب شفق کی گلگوں چادریں پھیلانے لگے گی، تو صرف عشرت سراؤں کے دریچوں ہی سے ان کا نظارہ نہیں کیا جائے گا، قید خانے کے روزنوں سے لگی ہوئی نگاہیں بھی انھیں دیکھ لیا کریں گی ۔فطرت نے انسان کی طرح کبھی یہ نہیں کیا کہ کسی کو شادکام رکھے، کسی کو محروم کر دے ۔وہ جب کبھی اپنے چہرے سے نقاب الٹتی ہے تو سب کو یکساں طور پر نظارہ حسن کی دعوت دیتی ہے یہ ہماری غفلت اندیشی ہے کہ نظر اٹھا کر دیکھتے نہیں اور صرف اپنے گرد و پیش میں کھوئے رہتے ہیں

محرم نہیں ہے تو ہی نواہائے راز کا

یاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا

جس قید خانے میں صبح ہر روز مسکراتی ہو، جہاں شام ہر روز پردۂ شب میں چھپ جاتی ہو، جس کی راتیں کبھی ستاروں کی قندیلوں سے جگمگانے لگتی ہوں ،کبھی چاندنی کی حسن افروزیوں سے جہاں تاب رہتی ہوں، جہاں دوپہر ہر روز چمکے ،شفق ہر روز نکھرے، پرندے ہر صبح و شام چہکیں ،اسے قید خانہ ہونے پر بھی عیش و عشرت کے سامانوں سے خالی کیوں سمجھ لیا جائے ؟ یہاں تو سر و سامان کار کی تو اتنی فراوانی ہوئی کہ کسی گوشہ میں بھی گم نہیں ہو سکتا ۔مصیبت ساری یہ ہے کہ خود ہمارا دل دماغ ہی گم ہو جاتا ہے ۔ہم اپنے سے باہر ساری چیزیں ڈھونڈھتے رہیں گے مگر اپنے کھوئے ہوئے دل کو کبھی نہیں ڈھونڈھیں گے، حالانکہ اگر اسے ڈھونڈھ نکالیں، تو عیش و مسرت کا سارا سامان اسی کوٹھری کے اندر سمٹا ہوا مل جائے (۱۳)

اقتباس طویل ہے لیکن نفس موضوع کی وضاحت کے سبب ایسا کرنا ناگزیر تھا۔

انشائیہ کی ایک خوبی یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ انشائیہ نگار کو چاہئے کہ وہ اپنے انشائیے کو خیالات سے زیادہ بوجھل نہ بنائے ورنہ اس کی

حیثیت مضمون کی ہو جائے گی ۔اس کو یہ دیکھنا چاہئے کہ کس بات پر زور دیا جائے اور کسے یونہی رواروی میں بیان کر دیا جائے ۔بقول نظیر صدیقی یہ وہ صنف ہے جس میں حکمت سے لے کر حماقت تک اور حماقت سے لے کر حکمت تک کی ساری منزلیں طے کی جاتی ہیں ۔یہ وہ صنف ادب ہے جس میں بے معنی باتوں میں معنی تلاش کئے جاتے ہیں اور اور بامعنی باتوں کی مہملیت اور مجہولیت اجاگر کی جاتی ہے ۔یہ وہ صنف ادب ہے جس میں عنوان کا موضوع سے مربوط ہونا اتنا ضروری نہیں جتنا مضمون کا مضمون نگار سے متعلق ہونا ضروری ہے ۔اگر آپ انشائیہ کی ان صفات کی روشنی میں غبارِ خاطر کا مطالعہ کریں تو یہ محسوس ہوگا کہ اس میں بیان کردہ ہر موضوع ابوالکلام کی ذات سے متعلق ہے ان کے خط کا یہ حصہ دیکھئے جس میں انہوں نے چائے کے تعلق سے اس طرح اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے

> چائے چین کی پیداوار ہے اور چینیوں کی تصریح کے مطابق پندرہ سو برس سے استعمال کی جارہی ہے لیکن وہاں کبھی کسی کے خواب و خیال میں بھی یہ بات نہیں گزری کہ اس جو ہر لطیف کو دودھ کی کثافت سے آلودہ کیا جاسکتا ہے جن جن ملکوں میں چین سے براہ راست گئی مثلاً روس، ترکستان، ایران ۔وہاں بھی کسی کو یہ خیال نہیں گزرا مگر سترھویں صدی میں جب انگریز اس سے آشنا ہوئے تو نہیں معلوم ان لوگوں کو کیا سوجھی، انہوں نے دودھ ملانے کی بدعت ایجاد کی اور چوں کہ ہندوستان میں چائے کا رواج انھیں کے ذریعہ ہوا اس لئے یہ بدعت سیئہ یہاں بھی پھیل گئی ۔رفتہ رفتہ معاملہ یہاں تک پہنچ گیا کہ لوگ چائے میں دودھ ڈالنے کے بجائے دودھ میں چائے ڈالنے لگے ۔بنیادِ ظلم در جہاں اندک بود ہر کہ آمد برآں مزید کرد ۔اب انگریز تو یہ کہہ کر الگ ہو گئے زیادہ دودھ نہیں ڈالنا چاہئے لیکن ان کے تخم فساد نے جو برگ و بار پھیلا دیئے ہیں انھیں کون چھانٹ سکتا ہے ۔لوگ چائے کی جگہ ایک طرح کا سیّال حلوہ بناتے ہیں اور کھانے کی جگہ پیتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں کہ ہم نے چائے پی لی ۔ان نادانوں سے کون کہے کہ
>
> ہائے کم بخت تو نے پی ہی نہیں (۱۴)

انشائیہ اپنے مصنف کی شخصیت کا صحیح عکس ہوتا ہے اور اس کا اپنے مصنف سے بڑا گہرا رشتہ ہوتا ہے اور یہ رشتہ ہر لفظ کی تہہ میں نظر آتا ہے اسی لئے انشائیہ کوئی ایسا میدان نہیں جس کی پیائش کے حدود مقرر کئے جا چکے ہوں ۔یہاں کھیل شروع ہونے کے بعد ریفری کی سیٹی بجنے کا کوئی اندیشہ نہیں ہوتا ۔یہاں لغزشیں بھی حسن بن جاتی ہیں کیوں کہ یہاں بندھے ٹکے اصول نہیں ہیں ہر انشائیہ اپنا اصول خود وضع کرتا ہے کیوں کہ یہاں بات سے زیادہ بات کہنے کے انداز کی اہمیت ہوتی ہے ۔ہر انشائیہ اپنے عہد کی پیداوار ہوتا ہے اور یہ عہد اس انشائیے میں سے جھلکتا رہتا ہے، اسی لئے ہر انشائیہ مختلف ہوتا ہے اور انفرادیت اس کی اولین شرط ہے اور یہ انفرادیت ابوالکلام کے یہاں بہت واضح دکھائی دیتی ہے ملاحظہ ہو ان کے خط کا یہ اقتباس

۔۔۔عجیب معاملہ ہے میں نے بار ہا غور کیا کہ میرے تصور میں آتش دان کی موجودگی کو اتنی اہمیت کیوں مل گئی ہے،لیکن کچھ بتلا نہیں سکتا۔واقعہ یہ ہے کہ سردی اور آتش دان کا رشتہ چولی دامن کا رشتہ ہے ایک کو دوسرے سے الگ نہیں کر سکتے ہیں۔سردی کے موسم کا نقشہ اپنے ذہن میں کھینچ ہی نہیں سکتا اگر آتش دان نہ سلگ رہا ہو۔پھر آتش دان بھی وہی پرانی روش کا ہونا چاہئے جس میں لکڑیوں کے بڑے بڑے کندے جلائے جا سکیں، بجلی کے ہیٹر سے میری تسکین نہیں ہوتی بلکہ اسے دیکھ کر طبیعت چڑ سی جاتی ہے۔ہاں گیس کے آتش دان کی ترکیب اتنی بے معنی محسوس نہیں ہوتی کیوں کہ پتھر کے ٹکڑے رکھ کر انگاروں کے ڈھیر کی سی شکل بنا دیتے ہیں اور اس کے نیچے سے شعلے نکلتے رہتے ہیں کم از کم شعلوں کی نوعیت باقی رہتی ہے پھر بھی میں اسے ترجیح دینے کے لئے تیار نہیں۔دراصل میں صرف گرمی ہی کے لئے آتش دان کا شیدائی نہیں ہوں مجھے شعلون کا منظر چاہئے جب تک شعلے بھڑکتے نظر نہ آئیں دل کی پیاس نہیں بجھتی۔بے دردوں کو جو دل کی جگہ برف کی سل سینے میں چھپائے پھرتے ہیں انھیں ان معاملات کی کیا خبر(۱۵)

انشائیہ کے بارے میں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ بہت آسان ہے ایک اچھے انشائیے کو پڑھ کر یہ خیال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ یہ بات تو ہم بھی لکھ سکتے تھے لیکن واقعی اگر لکھنے بیٹھیں تو اسے معلوم ہو کہ لکھنا گویا تلوار کی دھار پر چلنا ہے کیوں کہ ذرا سا بھکنے پر انشائیہ اپنی ہیئت کو کھو سکتا ہے نیاز فتح پوری نے اس طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ انشائیہ نگاری دیگر اصناف ادب کے مقابلے میں آسان بھی ہے اور مشکل بھی،آسان اس لئے کہ وہ صرف ذہنی اپج ہے اور مشکل اس لئے کہ ہر ذہنی اپج انشائیہ نہیں ہو سکتی،اس کے لئے محض فکر کافی نہیں ذکر بھی درکار ہے جو ابوالکلام کی تحریروں کا نمایاں ترین جوہر ہے۔چڑیا چڑے کی کہانی کا یہ حصہ دیکھئے

اپنی وہمی فتح مندیوں کا یہ حسرت انگیز انجام دیکھ کر بے اختیار ہمت نے جواب دے دیا۔صاف نظر آ گیا کہ چند لمحوں کے لئے حریف کو عاجز کر دینا تو آسان ہے مگر ان کے لئے جوش استقامت کا مقابلہ کرنا آسان نہیں اور اب اس میدان میں ہار مان لینے کے سوا کوئی چارۂ کار تبدیلی سے کمرے کی نہیں رہا۔۔۔اب یہ فکر ہوئی کہ ایسی رسم و راہ اختیار کرنی چاہئے کہ ان ناخواندہ مہمانوں کے ساتھ ایک گھر میں گزارہ ہو سکے۔سب سے پہلے چارپائی کا معاملہ سامنے آیا۔یہ بالکل نئی تعمیرات کی زد میں تھی پرانی عمارت کے گرنے اور نئی تعمیروں کے سروسامان سے جس قدر گرد وغبار اور کوڑا کرکٹ نکلتا سب کا سب اسی پر گرتا اس لئے اسے دیوار سے اتنا ہٹا دیا گیا کہ براہ راست زد میں نہ رہے۔اس کی شکل ضرور بگڑ گئی لیکن اب اس کا علاج ہی کیا تھا جب خود اپنا گھر ہی اپنے قبضہ میں نہ رہا تو پھر شکل وترتیب کی آرائشوں کی کسے فکر ہو سکتی تھی۔البتہ منھ دھونے کی ٹیبل کا معاملہ اتنا آسان نہ تھا وہ جس گوشہ میں رکھا گیا تھا صرف وہی جگہ اس کے لئے نکل سکتی تھی ذرا بھی ادھر ادھر کرنے کی گنجائش نہ تھی مجبوراً یہ انتظام کرنا پڑا کہ بازار سے بہت سے جھاڑن منگوا کر رکھ لئے اور ٹیبل کی ہر چیز پر ایک ایک جھاڑن ڈال دیا تھوڑی دیر کے بعد انھیں اٹھا کر جھاڑ دیتا(۱۶)

میں نے تقریباً ایک درجن اقتباسات ابوالکلام کے خطوط سے یہاں پیش کئے ہیں ان اقتباسات کو سننے کے بعد آپ نے یہ ضرور

محسوس کیا ہوگا کہ ان میں یکسانیت نہیں ہے اور اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ یہ انشائیے ہیں اور انشائیہ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ان میں یکسانیت نہیں ہوتی۔میرے خیال میں ابوالکلام کی انشائیہ نگاری کے معاملے میں اتنے سخت احتساب کی ضرورت نہیں، کیوں کہ فنی تخلیقات کے لئے ہم جو خانے بناتے ہیں اس میں محض اپنی سہولت مدنظر ہوتی ہے۔

یہ درست ہے کہ صوری اعتبار سے یہ خطوط ہیں مگر ان کو ذرا سی تبدیلی یعنی مکتوب الیہ کا سابقہ اور مکتوب نگار کا لاحقہ ہٹا کے دیکھیں تو یہ انشائیہ ہی معلوم ہوں گے اور ان میں انشائیہ کے ماہرین نے انشائیہ کی جتنی خوبیاں بیان کی ہیں وہ سب بدرجہ اتم موجود ہیں۔طوالت کے سبب میں نے اپنی گفتگو کو غبار خاطر تک محدود رکھا ہے۔حقیقت تو یہ ہے ان کا یہ انداز ان کی دیگر تصانیف میں بھی موجود ہے اسی بنا پر مولانا ابوالکلام کو ایک باکمال انشاء پرداز تسلیم کرنے میں کسی ریب وشک کا کوئی پہلو وہم وگمان کے کسی خانے میں نظر نہیں آتا۔مالک رام نے غبار خاطر کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ

۔۔۔ان کے اسلوب نگارش کا نقطۂ عروج غبار خاطر ہے۔اس کی نثر ایسی نپی تلی ہے اور یہاں الفاظ کا استعمال اس حد تک افراط و تفریط سے بری ہے کہ اس سے زیادہ خیال میں نہیں آسکتا (۱۷)

اور ایسا صرف اس بنا پر ہے کہ وہ ایک بہترین ہی نہیں ایک باکمال انشاء پرداز تھے۔وہ انشاء پردازی کے اصول اختصار اور جامعیت سے مکمل طور پر واقف تھے وہ جانتے تھے کہ انشائیہ کا فن غزل جیسا ہے جہاں ایک شعر میں ایک خیال سما جاتا ہے۔

☆☆☆☆☆

حوالے:

(۱)	مولانا ابوالکلام آزاد ایک ہمہ جہت شخصیت	تنقیدی معیار	پروفیسر فضل امام رضوی	۴۳
(۲)	مولانا ابوالکلام آزاد ایک ہمہ جہت شخصیت	تنقیدی معیار	پروفیسر فضل امام رضوی	۴۳
(۳)	مولانا ابوالکلام آزاد ایک ہمہ جہت شخصیت	تنقیدی معیار	پروفیسر فضل امام رضوی	۴۹
(۴)	مولانا آزاد کی نثر	بحوالہ خصوصی کمال ابوالکلام	علی جواد زیدی	۱۲۲
(۵)	غبار خاطر سے اقتباس	بحوالہ خصوصی کمال ابوالکلام	علی جواد زیدی	۱۳
(۶)		مولانا صلاح الدین		
(۷)	غبار خاطر	مولانا ابوالکلام آزاد	مرتبہ مالک رام	۱۴
(۸)	انشائیہ کے خدوخال	پروفیسر وزیر آغا		۱۰
(۹)	غبار خاطر	مولانا ابوالکلام آزاد	مرتبہ مالک رام	۲۹۔۳۰
(۱۰)	غبار خاطر	مولانا ابوالکلام آزاد	مرتبہ مالک رام	۳۴

(۱۱)	انشائیہ اور انشائیے	سید محمد حسنین		۲۰
(۱۲)	غبار خاطر	مولانا ابوالکلام آزاد	مرتبہ مالک رام	۴۰
(۱۳)	غبار خاطر	مولانا ابوالکلام آزاد	مرتبہ مالک رام	۶۶۔۶۹
(۱۴)	غبار خاطر	مولانا ابوالکلام آزاد	مرتبہ مالک رام	۱۵۳
(۱۵)	غبار خاطر	مولانا ابوالکلام آزاد	مرتبہ مالک رام	۱۷۳
(۱۶)	غبار خاطر	مولانا ابوالکلام آزاد	مرتبہ مالک رام	۲۱۳۔۲۱۴
(۱۷)	مقدامہ غبار خاطر	مولانا ابوالکلام آزاد	مرتبہ مالک رام	۱۳

☆☆☆☆☆

ڈاکٹر تسلیم
اسسٹنٹ پروفیسر،شعبہ اردووفارسی،راجستھان یونیورسٹی،جےَ پور

جوش ملیح آبادی کی نظم حسن اور مزدور

جوش ملیح آبادی کی شخصیت ایک ہمہ گیر شخصیت ہے وہ آسمان ادب پر ایک درخشاں ستارے کے مانند ہیں۔ان کی شاعری کے مختلف پہلو ہیں جو اردو ادب میں مختلف انداز سے نمایاں طور پر جلوہ گر ہوئے ہیں۔بنیادی طور پر جوش نظم گو ہیں اور اسی صنف میں انہوں نے اپنے کمال کے جوہر دکھائے ہیں،حالاں کہ جوش نے غزل اور مرثئے بھی کہے ہیں۔جوش نے غزل پر اپنی توجہ اس لئے مرکوز رکھی ہے کیوں کہ وہ طبعاً حسن پرست واقع ہوئے تھے وہ طفری حسن کے شیدا و دلدادہ رہے ہیں مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ حسن کی رنگینیوں اور تابانیوں میں ہی الجھ کر نہیں رہے اسی بناء پر وہ روایت کی پاسداری کے ساتھ ساتھ عصری تقاضوں کو بھی پورا کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔اس حیثیت سے جوشؔ ملیح آبادی کی شخصیت ہمارے سامنے ایک ترقی پسند شاعر کے روپ میں ابھر کر سامنے آتی ہے۔

جوشؔ ترقی پسند تحریک سے منسلک رہے اور انہوں نے اس کا نعرہ 'ہمیں اب حسن کا معیار بدلنا ہوگا' کی پیامبری کی اور ادب برائے ادب کے دائرے سے نکل کر ادب برائے زندگی کے تقاضوں کو پور کرے ہوئے نظر آتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری میں عصری رجحان زیادہ پایا جاتا ہے۔وہ صرف شیدائے حسن ہی نہیں رہے بلکہ انہوں نے اپنی نظموں میں حسن کی مجبوری،مایوسی،قنوطیت،مفلسی ان سب کا بھی ذکر کیا ہے۔

اردو ادب میں صنف نظم کو جوشؔ نے ایک نئی حیثیت عطا کی ہے۔جوشؔ شاعر شباب،شاعر فطرت اور شاعر انقلاب کے لقب سے نوازے گئے ہیں اور ان کی نظمیں دل کو چھو لینے والی ہیں مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ جوشؔ کو الفاظ کا جادوگر بھی کہا گیا ہے۔اگر جوشؔ کی شاعری کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ الفاظ جوشؔ کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے ہیں۔الفاظ کا ایک سیل بیکراں ہے جو امڈا آتا ہے لیکن اس سیل بیکراں میں طغیانی کی کیفیت کے بجائے نزاکت و دلکشی نمایاں نظر آتی ہے۔

جوشؔ ملیح آبادی کی نظم حسن اور مزدوری کو جب تنقیدی نظر سے دیکھتے ہیں تو ہمارے سامنے اس کے بہت سے پنہاں پہلوا جاگر ہوتے چلے جاتے ہیں۔جوشؔ نے غزلیں بھی کہی ہیں اور نظمیں بھی لیکن ان کا اصل سرمایہ ان کی نظمیں ہیں جن میں رومانی عناصر کے دوش بدوش اخلاقی وسیاسی پہلو بھی موجود ہیں۔ان کی نظموں میں جہاں ایک طرف موضوعات کی وسعت وتنوع ہے وہیں دوسری جانب طرز ادا کی جدت وندرت،خیالات میں گہرائی و گیرائی اور فارسی تراکیب والفاظ کا دلکش ودلآویز استعمال بھی موجود ہے۔ان کی نظموں کے حسن میں ان کے تجربات و مشاہدات کی روشنی میں وضع کردہ تشبیہات واستعارات چار چاند لگا دیتے ہیں۔

جوشؔ ملیح آبادی کی نظم حسن اور مزدوری سماجی بیداری اور محنت کش طبقے کے ساتھ ساتھ خواتین کی مشکلات اور ان کی روزمرہ کی زندگی کی عکاسی کرتی ہے۔ جب ہم نظم کا بالاستیعاب مطالعہ کرتے ہیں تو جوشؔ کی شاعری کی نمایاں خصوصیت الفاظ کی آمد اور الفاظ کی تکرار ہمیں فوری طور پر اپنی جانب متوجہ کر لیتی ہے۔ یہ کیفیت جوشؔ کے علاوہ دیگر نظم گو شعرا کے یہاں بہت کم دکھائی دیتی ہے ملاحظہ کیجئے کہ جوش نے کتنے دل فریب انداز میں اس کو نظم کے قالب میں ڈھالا ہے

ایک دوشیزہ سڑک پر دھوپ میں ہے بے قرار　　چوڑیاں بجتی ہیں کنکر کوٹنے میں بار بار

چوڑیوں کے ساز میں یہ سوز ہے کیسا بھرا　　آنکھ میں آنسو بن جاتی ہے جس کی ہر صدا

درج بالا مصرعوں میں جوشؔ نے نہایت فطری انداز میں منظر کشی کی اس میں ایک نوجوان لڑکی کا جو پیکر پیش کیا ہے وہ اپنے آپ میں اپنی مثال ہے۔ ذیل میں ان کی اس نظم میں تشبیہات کا رنگ بھی دیکھئے

دھوپ میں لہرا رہی ہے کاکل عنبر سرشت　　ہو رہا ہے کم سنی کا لوچ جز و سنگ وخشت

پی رہی ہیں سرخ کرنیں مہر آتش بار کی　　نرگسی آنکھوں کا رس مئے چمپئی رخسار کی

غم کے بادل خاطر نازک پہ ہیں چھائے ہوئے　　عارض رنگیں ہیں یا دو پھول مرجھائے ہوئے

جوش حالاں کہ نسوانی حسن کے شیدائی ہیں اور ان کے جسمانی حسن سے حد سے زیادہ متاثر بھی ہیں لیکن ایسا نہیں ہے کہ وہ ان کو صرف اپنی ضرورت کی چیز سمجھتے ہوں وہ صنف نسواں کی عزت و وقار کے پاسدار بھی ہیں۔

جوشؔ کے نزدیک عورت کا معیار زندگی بہتر ہونا چاہئے اور انہیں اس قسم کی محنت اور مشقت سے چھٹکارا ملنا چاہئے، حکمرانوں اور صاحبان ثروت کو اس امر کی طرف توجہ دینی چاہئے۔ تاکہ صنف نسواں کی زندگی کو بہتر بنایا جا سکے۔

جوشؔ اپنی اس نظم کے ذریعہ ہندوستان کے سماجی و معاشی حالات کا ایک نقشہ پیش کرنا چاہتے ہیں۔ ہندوستان جو کبھی انتہائی خوش حال ملک تھا ہر طرف امن و امان کا ماحول تھا اس ملک کو اب کس کی نظر لگ گئی کہ گھر کی رونق اب اس قدر مجبور ہو گئی ہے اسے لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانا پڑ رہا ہے۔ وہ حسن و جمال کا پیکر نازک اندام نوخیز کلی جو ٹھیک طرح سے اپنے کاجل کا بھار بھی نہیں اٹھا سکتی آج دھول مٹی سے اٹی ہے۔ یہ حالت ان کو یاس کی جانب لے جاتی ہے اور وہ انتہائی افسوس ناک انداز میں اس کیفیت کو پیش کرتے ہیں

نازنیوں کا یہ عالم مادر ہند آہ آہ　　کس کے جور ناروا نے کر دیا تجھ کو تباہ

ہن برستا تھا کبھی دن رات تیری خاک پر　　سچ بتا اے ہند تجھ کو کھا گئی کس کی نظر

باغ تیرا کیوں جہنم کا نمونہ ہو گیا　　آہ کیوں تیرا بھرا دربار سونا ہو گیا

اے خدا ہندوستاں پر یہ نحوست تا کجا　　آخر اس جنت پہ دوزخ کی حکومت تا کجا

دست نازک کورسن سے اب چھڑانا چاہئے   اس کلائی میں تو کنگن جگمگانا چاہئے

اس نظم میں جوشؔ ملیح آبادی نے نسائی حسن کے ساتھ ساتھ اس کو پیش آنے والی دشواریوں، لاچاریوں جیسے اہم مسائل کو نہایت متاثر کن انداز میں پیش کیا ہے۔ نے لکھا ہے کہ جوش

'عشق مجازی کے شاعر ہیں اور وصل محبوب کے طلب گار، ہجر کے مصائب برداشت کرنا ان کے بس کی بات نہیں انہیں ہر اچھی صورت پسند ہے اور وہ بھی اس وقت رک جب تک وصال میسر نہ ہو'(۱)

جوشؔ کی نظموں میں محبوب کا ملن بھی نظر آتا ہے اور عورت کی مجبوری بھی وہ اس کو دور کرنے کا حوصلہ بھی رکھتے ہیں۔ جوش کی متذکرہ نظم انسانی سماج کے اسی پہلو کی حقیقی عکاسی کرتی ہے۔ جوش اردو زبان کے بڑے شاعر اور بڑے فنکار ہیں ان کی شاعری کا کینوس بہت وسیع ہے۔ تحریک آزادی سے لے کر تقسیم ملک تک، تقسیم ملک سے لے کر تعصب، مذہبی منافرت، بے روزگاری اور برصغیر کو در پیش مسائل تک اور معاملات حسن وعشق میں ہجر سے وصل تک سبھی کچھ ان کی شاعری میں ہمیں دیکھنے کو ملتا ہے

(۱) تاریخ ادب اردو   ص ۱۸۹

☆☆☆☆☆

ڈاکٹرسید عادل احمد
محکمہ آثار قدیمہ،حکومت تلنگانہ،حیدرآباد،دکن۔

مصور جنگ راجہ دین دیال

ہندوستان میں عہد قدیم سے ہی تصویر کشی کی مختلف شکلیں نظر آتی ہیں۔قدیم ہند کے باسی،کبھی کبھی چٹانوں پر،آہنی اشیاء پر یا دیگر ظروف پر مختلف قسم کی تصاویر اتارا کرتے تھے جو دورِحاضر میں عہد قدیم کی زندگی کی ترجمانی کرتے ہیں۔ہمیں اس امر کا اندازہ کرنے کے لئے، اس قوم نے تہذیب وتمدن کے راستے میں کتنی منزلیں طے کی ہیں،اس کے مختلف ادوار میں شعبوں کا بغور مطالعہ کرنا ضروری ہے۔مثلاً ان کی طرز تعمیرات،رہن سہن،علمی وادبی،لسانی وجغرافیائی وعلاقائی طرز تجارت وزبان کا استعمال وغیرہ کا بھی باریک بینی سے مشاہدے کے بعد اس قوم کی حقیقی تاریخ جان سکتے ہیں۔

دنیا کی کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس نے کسی نہ کسی طریقے سے فن مصوری ونقاشی کا استعمال نہ کیا ہو۔یہ بجائے کاغذ کے،قدیم زمانے میں چٹانوں، پتھروں، درختوں اور استعمال میں آنے والی اشیا پر اتاری جاتی تھیں۔یہ تمام تصویری پیرہن دیکھ کر دل انبساطِ شوق کے لامحدود خیالات میں موجزن ہوجاتا ہے۔مصوری کا مقصد بھی تو یہی ہے کہ انسان کے بلند پایہ خیالات کی عکاسی مختلف رنگوں میں کرے۔یہ ضروری نہیں ہے کہ بعینہٖ اس طرح زمانہ کی گردش،شب وروز،عروج وزوال،موسم بہاروخزاں،آپ کی آنکھوں کے سامنے لاموجود کردیتے ہیں۔گویا مصوری کا راستہ حقیقت سے بالاتر ہے۔مصوری ایک حقیقت بھی ہے کہ،وہ فوٹو تو ایک جامد چیز ہے، یہ وہی کچھ دکھاتی ہے جو امر واقعی ہوتا ہے لیکن فن مصوری پر قدرت رکھنے والے دماغی ونظری ترقی و بلند پروازی کا بھی بین ثبوت ہے کہ تصویر سازی،نقاشی ومصوری اہل قدیم کی یادگاریں ہیں۔ یہ تاریخ کا اہم باب ہے۔جب بنی نوع انسان اپنے ہاتھ میں قلم پکڑنا سیکھا بھی نہیں تھا، یہ تصویر کے ذریعہ ہی اپنی زندگی کے مختلف پہلوؤں کی ترجمانی کیا کرتے تھے جسے دیکھ کر ہمیں اس دور کے حالات اور تاریخ کا پتہ چلتا ہے۔

سلطنت آصف جاہی کے ششم فرماں رواں میر محبوب علی خان کے دور اقتدار میں ریاست میں فن مصوری کا فن عام نہیں تھا لیکن ۱۸۸۵ء میں لارڈ ڈفرن نے نظام ریاست حیدرآباد دکن کے پاس ایک نوجوان کو اپنے تعارفی خط کے ساتھ روانہ کیا جسے حیدرآباد کے دربار شاہی کے پہلے سرکاری فوٹو گرافر کا اعزاز حاصل ہوا۔

یہ نوجوان ’’دین دیال‘‘ ۱۸۶۲ء میں روڑکی کے انجینئرنگ کالج میں بحیثیت طالب علم رہا۔اس کی غیر معمولی صلاحیتوں کے سبب اساتذہ نے اسے امتحانات میں ۲۵۰ میں سے ۲۶۸ نشانات عطا کئے۔اس کی وجہ یہ تھی کہ دین دیال ڈرائنگ میں وہ اعلیٰ درجے کی نفاست و مہارت صلاحیت اور باریک بینی کو دیکھ کر اسے مقررہ نشانات سے بھی زیادہ (اعزازی) نمبرات دیئے گئے۔جس کی بدولت دین دیال کو اندور

کے انجینئرنگ دفتر میں ملازمت مل گئی۔دین دیال بہت کم عرصہ میں اس فن میں وہ کمال حاصل کرلیا کہ ان کی شہرت، گورنر جنرل کو بھی ہوگئی۔ گورنر جنرل کے وسطی ہند کے دورے پر دین دیال کو بھی سرکاری ذمہ دارانہ کام پر مامور کیا گیا تو اس نے دورے کی تصاویر کے خاکوں سے اپنے فن کا وہ مظاہرہ کیا کہ گورنر جنرل اوراس کا ایجنٹ ان کے فن سے بے حد متاثر ہوئے اور انہیں ایک اہم ذمہ داری دی۔

۱۸۶۹ء سرسیپل گریفن نے دین دیال کو ہندوستان بھر کی قدیم، تاریخی عمارتوں، شاہی محلات، مساجد، منادر، قلعہ جات ومقدس مقامات کی تصویریں البم کی شکل میں تیار کرکے حوالہ کی گئیں جن کو سرسیپل گریفن نے ملکہ وکٹوریا کی خدمت میں پیش کیا۔ملکہ نے اس عدیم المثال تاریخی وخوبصورت، نادرات کو دیکھ کر دنگ رہ گئیں اور اس البم کو جو دین دیال کے فن کا اعلیٰ نمونہ واعزاز شاہی محل کے اندر (ڈرائنگ روم) کی زینت میں اضافہ کے لئے محفوظ کردیا گیا۔دین دیال کی شہرت ہندوستان سے نکل کر لندن کے شاہی محلات میں پہنچ چکی تھی۔

اس انمول موتی کو آصف جاہ ششم میر محبوب علی خان نے اپنے نظر کرم اور لطف وعنایات کی وہ بارشیں کی کہ اس کی قدر افزائی میں چار چاند لگ گئے۔کئی سال تک دین دیال کے فن اور شخصیت کا بغور مشاہدہ کرنے کے بعد میر محبوب علی خان نے انہیں ''راجہ بہادر مصور جنگ'' کا خطاب عطا کیا اور ماہانہ پانصد روپے کی منصب پر فائز کیا جو آصف جاہ ہفتم کے دور میں بھی جاری رہا۔اعلیٰ حضرت ہمیشہ راجہ دین دیال کو اپنے ساتھ رکھا کرتے تھے۔سیر وشکاریات، خلوت وجلوت میں باریابی رہتی تھی۔نیز سرکاری دورہ پر بھی راجہ دین دیال کی خصوصی مراعات حاصل تھیں۔۱۹۰۲ء میں اعلیٰ حضرت میر محبوب علی خان کی تقریب سالگرہ کے موقع پر لارڈ کرزن ولیڈی کرزن کی حیدرآباد آمد اور سیر وتفریح اور شکار کی تمام تر تصاویر، راجہ دین دیال نے اتاریں۔اس موقع پر اعلیٰ حضرت نے راجہ دین دیال کے ہمراہ شکار کے مشاغل میں خوب جشن منائے۔ دین دیال نے شکار کی بھی تصاویر لیں۔خوشی سے انہوں نے یہ اشعار کہے۔

عجب کرتے ہیں تصویر میں کمال کمال
استادوں کے ہیں استاد راجہ دین دیال

(میر محبوب علی خان، آصف جاہ ششم)

جب ریاست حیدرآباد دکن میں بڑی شخصیتیں دورے پر آتیں تو راجہ دین دیال کو بحیثیت سرکاری فوٹو گرافر ساتھ رکھا جاتا تھا جن میں مشہور ڈیوک رچرڈ آف کیسنٹ، پرنس البرٹ وکٹر، روس کے زارنکولس، گرانڈ ڈیوک الیگزینڈر جب ہندوستان اور حیدرآباد تشریف لائے تو راجہ دین دیال نے اس دورے کی تصاویر (عکسی) لیں۔لارڈ اینڈ لیڈی ایلجین کے دورہ دکن کی تصاویر لیں۔

شاہی مصور، راجہ دین دیال کا انتقال ۱۹۰۵ء میں ہوا تو ان کے فرزند گیان چند نے ان کی جگہ لی۔انہوں نے بھی اپنے والد کی طرح اس فن میں خوب کمال دکھایا۔یہ بھی حضور نظام آصف جاہ ہفتم کے خاص فوٹو گرافر رہ چکے اور تمام نجی وسرکاری پروگرامس کی تصاویر لیں جو ایک یادگار البم ہے۔انہیں بھی نظام ہفتم کی جانب سے بڑا اعزاز حاصل ہوا۔

حیدرآباد میں وائسرائے وریزیڈنٹ نے دین دیال اینڈ سنس کو اپنا فوٹو گرافر مقرر کیا۔ پرنس آف برار جو کمانڈر انچیف، ولی عہد سلطنت بھی تھے کے فوٹو گرافر ہونے کا اعزاز دین دیال اینڈ سنس کو حاصل ہے۔ ۱۹۲۰ء میں راجہ گیان چند کے انتقال کے وقت ان کے تین فرزند راجہ ترلوک چند، راجہ حکیم چند اور راجہ امی چند، دین دیال کے پوتے تھے، نے بھی اس فن کو قائم رکھا اور اپنے دادا کا خوب نام پیدا کیا۔

تخمیناً ۱۴۵ سالوں سے ہونے والی تبدیلیوں کا مشاہدہ صرف اور صرف راجہ دین دیال اینڈ سنس کی تصویروں سے ہی حقیقت حاصل کی جاسکتی ہے۔ جب کبھی ہند اور دکن کی تاریخ لکھی جائے تو راجہ دین دیال اینڈ سنس کے مجموعہ تصاویر (البمس) سے استفادہ نہیں کیا تو دکن کی تاریخ کو حقیقی طور پر فن مصوری کا کمال تمام نظر نہ آسکے۔ یہ ایسی تاریخ ہے جسے فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ دنیا کے ہر دور میں حیدرآباد کے امراء و عظام کی سرکاری و خانگی زندگیوں میں دین دیال اینڈ سنس کے کیمروں کی آنکھ کا ہونا ضروری تھا اور ہے۔

۱۸۸۰ء میں قلعہ گولکنڈہ کے دورے کی تصویر، جس میں موتی محل کے خوبصورت محلوں کا مجموعہ تھا، آج موجود نہیں ہے، لیکن راجہ دین دیال کی تصویروں میں آج بھی زندہ جاوید ہے۔ وقت اور حالات وسرکاری مشنری کی بے حسی کے سبب یہ محل جس کے اندر کئی محلات تھے، برباد ہو گئے۔ راجہ دین دیال کی فنکاری ہی ہے جس کو اس دور میں بھی قدیم چیزوں کی محافظت ہے۔ قدیم دورِ مصوری کا رواج کیمرہ سے نہیں تھا۔ اس کو کیمرہ میں راجہ دین دیال نے ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا۔

راجہ دین دیال

شیر کا شکار

***

ٹیپو سلطان
ریسرچ اسکالر، شعبہ اردو و فارسی، راجستھان یونیورسٹی، جےپور

دیوان پروین پر ایک نظر

زیرِ نظر کتاب پر تبصرہ کرنے سے پہلے صاحب دیوان کے تعارف میں چند سطور رقم کرنا بہتر ہوگا۔

آپ کا نام صالحہ بیگم اور کنیت ام مشتاق اور لقب بڑی بیگم تھا۔ پروین تخلص فرماتی تھیں۔آپ دہلی میں ۱۸۶۶ء کو متصل کالے محل میں پیدا ہوئیں۔ رمضان کی دس تاریخ اور جمعرات کا دن تھا۔(۱)

پروین کی والدہ نواب اکرام الدولہ کی بیٹی تھیں اور پروین کی دادی مغلیہ سلطنت کے وزیر میر جملہ کی اولاد میں سے تھیں۔ میکہ کے ادبی ماحول میں آپ نے شاعری کے فنی لوازم بھی سیکھے۔(۲)

پروین کے دادا مولانا سید نجف علی علامہ روزگار تھے جن کے نام سے کئی درجن کتابیں منسوب ہیں۔ٹونک میں ان کا انتقال ہوا۔ پروین کے والد سید غضنفر علی بھی عالم بے عدیل اور بہترین شاعر تھے ان کا انتقال بھی ٹونک میں ہوا۔ پروین کے دو بڑے بھائی ہوا کرتے تھے۔سید نظیر حسن سخاؔ اور سید امیر حسن سہاؔ، دونوں بھائی اپنے وقت کے مشہور ترین عالم دین اور شاعر تھے۔سخاؔ کی بود و باش جے پور میں رہی، امیر حسن سہاؔ تقسیم ملک کے بعد پاکستان چلے گئے۔ پروینؔ نے شاعری اپنے بھائیوں سے ہی سیکھی تھی 'دیوان پروین' ان کے بیٹے سید مشتاق حسین نے مرتب کیا، اور اپنی والدہ کی حالات زندگی مختصر طور پر شامل کی، جب کہ دیباچہ پروین کے بڑے بھائی سید نظیر حسن سخاؔ نے لکھا ہے۔اپنی بہن کی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے سخاؔ لکھتے ہیں:۔

> 'اگرچہ اس دیوان میں جدید رنگ بہت زیادہ نہیں ہے پھر بھی جا بجا اجتہادی قوت اور ترمیمی ولولہ کی جھلک پائی جاتی ہے اور جب کہ مردانہ ہمتیں مفلوج اور اندھی تقلید کو فخر جانتی ہیں، تو ایک زنانہ جرأت نے جس قدر قدم بڑھایا ہے، وہ ایک طرح کا قلمی جہاد اور علمی مجاہدہ ہے۔اس کلیات میں ہر صنف کا کلام ہے اور مجموعی طور سے قدرت، علمیت، مہارت سب کچھ پائی جاتی ہے، لیکن پھر بھی یہ کہوں گا کہ بعض نظمیں اس میں نہ ہوتیں تو بہتر تھا، تاہم مصنفہ یہ جواب دیتی ہیں کہ میں نے اپنی ہر عمر کا کلام جمع کیا ہے اور ہر درجہ کی مشق کو محفوظ رکھا ہے، مجھ سے ممکن تھا کہ میں اس کو درست کر لیتی مگر ابتدائی کمزوریاں پیش نظر نہ رہتیں (۳)

پروین کا دیوان پہلی بار ۱۹۱۵ء میں جے پور کے مطبع سراج الفیض سے شائع ہوا۔اس کا دوسرا اڈیشن ۱۹۱۹ء میں آگرہ سے شائع ہوا۔ جہاں تک پروین کی شاعری کا سوال ہے، ان کے یہاں قدیم اور جدید دونوں رنگ نظر آتے ہیں۔ وہ اپنا عندیہ اس قطعہ کے ذریعے پیش

کرتی ہیں

تھا عہد قدیم صرف غمزہ و ناز   اور عہد جدید کی ہے قومی آواز
میں وسط میں واقع ہوں لہٰذا پروینؔ   دونوں سے ملا جلا ہے میرا انداز

غورطلب بات ہے کہ پروین نے شاعری اپنے بھائی سحاؔ سے سیکھی تھی اور سحاؔ جدید شاعری کے زبردست حامی تھے، مذکورہ قطعہ ان کی تعلیم کے اثر کا نتیجہ ہوسکتا ہے، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ پروینؔ جدید موضوعات کو پیش کرنے میں پوری طرح ناکام رہی ہیں۔ان کی تمام شاعری پر روایتی اثر صاف نظر آتا ہے، ہاں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ پروینؔ کے کلام میں داغؔ دہلوی اور مومنؔ کی شاعری کی تقلید نظر آتی ہے۔شوخی، معاملہ بندی، طنز ، چھیڑ چھاڑ وغیرہ پروین کی شاعری کا خاص رنگ ہے، ایک شعر دیکھئے

حضرت داغؔ کی تقلید ہے کچھ کچھ پروینؔ   ورنہ کیا چیز ہوں میں اور طبیعت میری

اس کے علاوہ ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ جمالیاتی فکر کے ساتھ ساتھ ان کے یہاں صوفیانہ کلام بھی پایا جاتا ہے۔ان کی غزلوں میں عشق حقیقی اور مجازی دونوں ہی موجود ہیں۔ایک غزل کے دو شعر پیش کر رہا ہوں جن میں وحدت الوجود کے نظریہ کا عکس نظر آتا ہے۔

باعث آرائش حسن صنم تو ہی تو تھا   کفر میں بھی رونق بیت الحرم تو ہی تو تھا
دونوں حادث ہیں یہ کیسی روح کیسا مادہ   ابتدا سے مالک ملک عدم تو ہی تو تھا

پروینؔ چوں کہ ایک مذہبی اور عالم دین حضرات کے خاندان سے تھیں اس لئے ان کی شاعری میں مذہبی رنگ جھلکنا بھی قدرتی بات تھی۔وہ اپنی شاعری خاص طور پر غزل میں مذہبی اصطلاحات اور تلمیحات بے تکلف استعمال کر لیتی ہیں۔اہل بیت سے انھیں عقیدت تھی ، واقعات کربلا سے متأثر تھیں اس لئے ان کے یہاں شام غریباں، تربت، ماتم، گور غریباں جیسے الفاظ نظر آتے ہیں۔

نظر جا کر رخ گیسو پہ گھر میں بھی ہے باہر بھی   ادھر صبح وطن کا رنگ ادھر شام غریباں کا
جب تک آؤ گے مجھے عید کی گھڑیاں ہوں گی   جب نہ آؤ گے اسی روز محرم ہوگا
ہزاروں حسرتیں مرمر کے مٹی ہوگئیں دل میں   مجھی کو تھا بنایا نوحہ گر گور غریباں کا

اس کے علاوہ مذہبی نقطۂ نظر کی حامل ان کی حمدیہ، نعتیہ غزلیں ان کے دیوان میں موجود ہیں۔نعت ومنقبت کے اشعار ملاحظہ کیجئے:۔

انبیاء میں منتقل ہوتا چلا آیا جو نور   وہ حقیقت میں تمہیں ہو یا محمد مصطفیٰ
واقف اسرار دیں تو یا علی مرتضیٰ   ہمدم روح الامیں ہو یا علی مرتضیٰ

پروینؔ کے یہاں اپنے افکار وخیالات کو ظاہر کرنے کا ایک کھلا طریقہ ہے وہ بات کو ڈھکے چھپے پیرائے میں کہنے کے بجائے کھل کر کہنا پسند کرتی ہیں چند اشعار ملاحظہ کیجئے:

چلے گئے وہ شب وعدہ مجھ کو بہلا کر   نہ ہم کنار ہوئے اور نہ ہم کنار کیا

دو بوسے لئے اس نے دو گالیاں دیں	نہ لینا زیادہ ہے نہ دینا زیادہ
یہ ظلم غیر کو بوسے دکھا دکھا کے مجھے	ہمیشہ خوش بھی نہ رہو گے بتو ستا کے مجھے
بوسہ بھی مانگتا نہیں میں خوف قتل سے	تن تن کے کیوں دکھاتے ہوتیغ و سپر مجھے

دراصل غزل کی خوب صورتی ،بات کوڈھکے چھپے انداز میں کہنے ہوتی ہے،مذکورہ اشعار میں پروینؔ نے اس بات کا خیال نہیں رکھا،پروینؔ کی غزلوں کے وہ اشعار جن میں تخئیل اور جذبے کی حسین آمیزش ہے،جن سے لطافت ظاہر ہوتی ہے ایسے اشعار میں رمزیت ،ایمائیت اور اشاریت نے تاثیر کاطلسم پیدا کر دیا ہے۔رمزیت اوراشاریت کے ساتھ سلیس الفاظ کااستعمال کر کے پروینؔ نے اپنے فن کا مظاہرہ کیا ہے

آب خنجر کی روانی دیکھ کر حیران ہوں میں	معجزے سے تم نے پانی کرلیا فولاد کو

اس میں کنایہ کا استعمال کیا گیا ہے،میرے خیال میں آب خنجر سے مراد معشوق کی ناز وادا ہے،فولا دجیسا کہ مشہور ہے کہ ایک سخت دھات ہے اس کو پگھلا کرخنجر اورتلوار بنائی جاتی ہے تب اس کی دھار پانی سے بھی تیزمعلوم ہوتی ہے۔اس جذبہ تخئیل نے اس شعر میں تغزل پیدا کر دیا ہے ۔پروینؔ کی تشبیہات واستعارات پر مشتمل چندمثالیں دیکھئے:

آراستہ ہے زیور گل سے وہ گل بدن	محفل میں سر سے پاؤں تک آیا ہے جن کے پھول
یاقوت لب ہیں دانت گہر ہائے آب دار	ملک یمن میں رکھتے ہیں باغ عدن کے پھول
راتوں کو ٹوٹتے نہیں تارے خدا گواہ	تم پر نثار ہوتے ہیں چرخ کہن کے پھول

داغؔ کی تقلید میں اس قسم کے اشعار پیش کئے جاسکتے ہیں

حوصلہ ہار گیا جھڑکیاں کھاتے کھاتے	طالب وصل ہوں پڑتی نہیں ہوتے میرے

وہاں بھی سب ہو گئے اس بت کے طرفدار افسوس	نہ ہوئی داد رسی روز قیامت میری

چشم سے چشمہ بہا چشمہ کا دریا ہو گیا	عدو بھی وصل کا طالب ہے اے تیری قدرت

یہ مینڈکی کو بھلا کیوں زکام ہونا تھا	بچ گئی جاں شکر ہے طوفاں نہ برپا ہو گیا

پروینؔ کے کلام مین رعایت لفظی کا اہتمام بھی نظر آتا ہے،کبھی تو اس کا استعمال نہایت سلیقے سے کرتی ہیں اور کبھی صرف ہاتھ کی صفائی کے لئے

قہر ڈھائے اس کو ہوجائے اگر زیور کا شوق	حسن دو دو بالیوں میں جب دو بالا ہوگیا

روزمرہ اور محاورہ کا استعمال پروینؔ کے یہاں کچھ اس طرح نظر آتا ہے

کچھ ادھر میں سخت جاں ہوں کچھ ادھر وہ سنگ دل　　ناک میں دم آ گیا ہے خنجر فولاد کا

رہے گا یاد ہمیشہ سوال بوسہ پر　　جواب دینا تمھارا چبا چبا کے مجھے

طالب ہیں میرے دل کے حسینان روز گار　　گویا کہ اک انار ہے بیمار سینکڑوں

سر گیا تو سر کے ساتھ الزام بھی جاتا رہا　　سر کے بل چلنا محبت میں بہت دشوار ہے

پروینؔ کی شاعری کا بیشتر حصہ اخلاق، تصوف اور عشق مجازی پر مبنی ہے۔انھوں نے چھوٹی بحروں میں بھی غزلیں لکھی ہیں، گہرائی کے لحاظ سے ان میں کمی ہے لیکن سلاست اور روانی اپنی جگہ مسلم ہے

ماہ بھی ہے آفتاب بھی ہے　　اور وہ روئے بے نقاب بھی ہے
کشمکش میں ہے عقل و نادانی　　کمسنی بھی ہے کچھ شباب بھی ہے
سنے جاتے ہیں سر جھکائے ہوئے　　کچھ میری بات کا جواب بھی ہے

سرکشن پرشاد شادؔ (وزیراعظم سرکار حیدرآباد) پروین کی شاعری کی تعریف میں لکھتے ہیں:۔

'فصاحت وبلاغت، سلاست میں اچھا پایہ ہے۔زبان ومحاورات کے برمحل استعمال سے طبیعت کا اندازہ ہوتا ہے۔
غرض ایک نامی شاعر کے لئے جن امور کی ضرورت ہے وہ، من کل الوجوہ، اس دیوان میں موجود ہے' (۴)

اس بات کی تائید میں پروینؔ کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیے

اس کو صرصر کی خبر ہے نہ صبا سے واقف　　جو نہیں آج زمانے کی ہوا سے واقف
کمسنی کا یہ تصدق ہے کہ گزرا جمال　　ابھی صرصر سے نہ آگہ نہ صبا سے واقف

پروینؔ نے معاشرتی مسائل کو بھی طنز کے پیرائے میں پیش کیا ہے۔عام طور سے غزل میں یہ رواج رہا ہے کہ ہر شاعر بے چارے واعظ، شیخ، ناصح، وغیرہ کو نشانہ بناتا آیا ہے۔پروینؔ بھی اسی صف میں شامل ہیں، جن اشعار میں قومی وملکی مسائل کی جانب پروینؔ نے اشارے کئے ہیں ان میں سے چند پیش خدمت ہیں:۔

خداوندا انھیں کس دن شعور آئے گا دنیا میں　　رہیں گی بے پڑھی لکھی ہماری لڑکیاں کب تک

الٰہی واعظوں کو کیا ہوا ہے جدا کرتے ہیں یہ دنیا کو دین سے

چنداشعار سوز وگداز کے بھی ملاحظہ کیجئے:

خدا کے عشق میں خوبی ہے کس قدر پرویؔن نہ اشتیاق وصال اور نہ انقلاب فراق

ہر ایک دل میں ہے الفت تمہارے چہرے کی لگی ہے آگ زمانے میں ایک اخگر سے

جب سے گلشن میں تجھے اے گل خنداں دیکھا ہم نے اس دن سے پلٹ کر نہ گلستاں دیکھا

پروین کے بزرگوں پر مرتب کی گئی کتاب 'خانوادہ نجف علی خان کی سوسالہ علمی وادبی خدمات' میں پرویؔن کی شاعرء کے تعلق سے یہ لکھا ہے

> 'پروین کی شاعری میں روایتی اور جدید دونوں طرح کا انداز پایا جاتا ہے۔اپنی شاعری میں بڑے بھائی سید نظیر حسن سؔخا سے اصلاح لیا کرتی تھیں۔چونکہ آپ ایک صوفی کی اہلیہ تھیں اس لئے شاعری میں تصوف کا اثر آنا بھی لازمی تھا ان کے دیوان کے مطالعے سے عشق حقیقی اور عشق مجازی دونوں کا پتہ چلتا ہے۔اس کے علاوہ طنز ومزاح کا پہلو بھی صاف نظر آتا ہے خاص طور سے شیخ اور واعث سے شاکی نظر آتی ہیں۔' مثال کے طور پر یہ اشعار ملاحظہ کیجئے

پوچھا نہ حسینوں نے تو واعظ نے یہ سوچا پھر عمر بسر کیوں نہ کریں راہ خدا میں

کیا کرتا ہے واعظ روز غیبت بادہ خواروں میں پرائی آگ میں کم بخت اپنا منہ جھلستا ہے

پرویؔن کے اشعار میں کنایہ بھی دیکھنے کوملتا ہے۔یہ شعر دیکھئے

آب خنجر کی روانی دیکھ کر حیران ہوں میں معجزے سے تم نے پانی کرلیا فولاد کو

ایک جگہ حضرت داؔغ کی تقلید کا اس طرح اعتراف کرتی ہیں

حضرت داغ کی تقلید ہے کچھ کچھ پرویؔن ورنہ کیا چیز ہوں میں اور طبیعت میری

تصوف کا نمونہ ملاحظہ کیجئے

خدا کے عشق میں خوبی ہے کس قدر پرویؔن نہ اشتیاق وصال اور نہ ابتلائے فراق

وہ دل میں جلوہ فرما تھا مگر تقدیر کی گردش　　تلاش یار میں پھرتا رہا میں کو بکو ہر سو

پروینؔ نے شاعری کی دوسری اصناف میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔قصیدہ،رباعی،تہنیتی اشعار،تاریخی قطعات،مسدس اور بے نقط اشعار بھی کہے ہیں۔پروین کوابھی تک راجستھان کی پہلی صاحب دیوان شاعرہ ہونے کا شرف حاصل ہے(۵)

قصیدہ اردو شاعری کی ایک اہم اور مقبول صنف سخن رہا ہے،گو آج اس کا چلن نہیں کے برابر ہے،لیکن جو قصائد ہمارے اسلاف لکھ گئے ہیں وہ ادب کا بڑا سرمایہ ہیں۔پروینؔ نے بھی قصیدہ کی صنف میں طبع آزمائی کی ہے۔سوداؔ،ذوقؔ اور محسن کاکوروی جیسا معیار تو ان کے یہاں نہیں پایا جاتا لیکن ایک شاعرہ کی حیثیت سے انہوں نے جو قصائد لکھے ہیں وہ اپنے آپ میں بڑی بات ہے۔جب دیوان پروینؔ پہلی مرتبہ شائع ہوا تھا تو،نظام حیدرآباد'عثمان علی خاں' کی جانب سے پانچ سو روپئے کا انعام ان کو عطا کیا گیا تھا جس کے اظہار تشکر میں پروین نے ایک قصیدہ تحریر کیا تھا،اس کے چند اشعار یہاں پیش کررہا ہوں،یہ قصیدہ دیوان پروینؔ کے دوسرے ایڈیشن میں شامل ہے تشبیب کے اشعار ملاحظہ کیجئے

بہار آئی گھٹا چھائی ہے گلزار معانی پر　　الف ہیں سرو دلکش دائرہ ہیں نرگس و نسترن
معطر ہے دماغ بزم گلہائے مضامیں سے　　منور ہے ایاغ بادہ اور نکتے منور تر
طبیعت جوش پر ہے جوش میں ہیں عشرتیں پنہاں　　مسرت زور پر ہے زور میں ہیں فرحتیں مضمر
قلم کے منہ سے بے قصد و ارادہ پھول جھڑتے ہیں　　ورق سطح چمن نہر ہے لبن ہے جدول مسطر
دل ممنون منت میں نسیم شکر جیسی ہے　　کبھی اس سمت اٹھلا کر کبھی اس سمت اترا کر

چند اشعار مدح کے بھی ملاحظہ کیجئے:۔

مجھے تشبیب کے تحریر کا شوق اور مرے دل کو　　ادائے شکر منعم کا تقاضا بیحد و بے فر
وہ منعم کون ،مقصود زمانہ مخزن دولت　　وہ منعم کون ،ممدوح یگانہ قلزم گوہر
فلک پہ جا کے لہرائے علم اس کا وہ گردوں سا　　عطارد جس سے شرمائے قلم اس کا وہ جادوگر

قصیدہ کا اختتام ذیل کے دو اشعار پر ہوتا ہے

کریم اس کو نہیں کہتے جو مانگے پر بھرے دامن　　کریم اس کو کہیں گے دے جو بے مانگے زر و جوہر
الٰہی تا رہے خورشید درخشاں میں درخشانی　　رہیں شاہد کن کے تابع فرمان مہ و اختر

مذکورہ قصیدہ میں سوداؔ اور ذوقؔ جیسی گھن گرج تو نہیں ہے لیکن پھر بھی پروین نے اپنی بساط کے مطابق قصیدہ کا حق ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔پروین کے خاندان کی ایک ادبی اور علمی صفت یہ بھی رہی ہے کہ اس خاندان کے افراد کو بے نقط تحریر لکھنے پر ملکہ حاصل تھا ۔پروین کے دادا نجف علی،والد سید غضنفر علی،برادران سید نظیر حسن سخاؔ اور امیر حسن سہاؔ نے بھی بے نقط تحریر میں طبع آزمائی کی ہے۔پروین نے بھی

بے نقط قصیدہ لکھا ہے، جس کے دو اشعار یہاں پیش کرتا ہوں:۔

کوہ و صحرا ہرا ہوا سارا اور کھلا واہ واہ لالہ آل

درک کامل عطا ہوا اس کو اور ارسطو کا سارا علم و کمال

دیوان پروین میں آخری قصیدہ نواب فیاض علی خاں کی مدح میں ہے، یہ ان کا سب سے اچھا قصیدہ کہا جا سکتا ہے نمونے کے چند اشعار ملاحظہ کیجئے:۔

مژدہ باد اے اختر مسعود و بخت سازگار بوستان آرزو ہے جلوہ گاہ نو بہار

پھر مرے خلوت کدے میں ہے وہ طاؤسی خرام پھر مرے عشرت کدے میں ہے وہ فردوسی نگار

قلزم داد و دہش اس کا اگر ہو موجزن ساحل امید سے ہو ایک عالم ہمکنار

پروین کی رباعیات:۔ رباعیات میں اکثر حکیمانہ قول، پند و نصائح یا اخلاقی مضامین نظم کئے جاتے ہیں، پروین نے بھی رباعی پر بھی طبع آزمائی کی ہے، کسی حد تک پروین اپنی بات کہنے میں کامیاب رہی ہیں دو رباعی ملاحظہ کیجئے۔ معنوی اعتبار سے ان کو معیاری کہا جا سکتا ہے

منصور کا یہ قول تھا ہر انساں سے دو جسم سنبھل سکتے نہیں اک جاں سے

یا حق کا طلبگار ہو یا ناحق کا یا جاں سے ہاتھ دھو لے یا جاناں سے

بچوں کو دل و جان سے بہتر سمجھو بالغ ہوں تو پھر ان کو برابر سمجھو

اور جب ہو تن و توش میں تم یکساں اولاد کو دشمن کے برابر سمجھو

دیوان پروین میں ترجیعات:۔ نصف درجن کے قریب ترجیعات بھی اس دیوان میں شامل ہیں، جو حضرت خواجہ غریب نواز، حضرت غوث اعظم، حضرت امام حسین کی شان اقدس میں ہیں۔ حضرت علی کی شان میں لکھی گئی نظم سے ایک بند پیش ہے ملاحظہ کیجئے:۔

میں اپنی جان سے بیزار ہوں خدا کی قسم عجب بلا میں گرفتار ہوں خدا کی قسم

بہت ہی بیکس و لاچار ہوں خدا کی قسم تمھارے ہوتے ہوئے خوار ہوں خدا کی قسم

زمانہ بر سر جنگ است یا علی مددے

کمک بغیر تو ننگ است یا علی مددے

مخمس:۔ پروینؔ نے مختلف شعرا کی غزلوں پر مخمس لکھی ہے، انوار الرحمان بسمل کی غزل پر کہی ہوئی مخمس کا آخری بند پیش کرتا ہوں:۔

خدا کا شکر کہ پروین فلک ہوا یاور الٰہی سب کا ہو نخل مراد بار آور

ہزار مجھ سے ہوں قربان غمزہ دل بر مجھے بھی ناز ہے اس نسبت اضافی پر

تمھاری تیغ کا بل مرا خطاب ہوا

تاریخی قطعات:۔اردو شاعری کا ایک اعلیٰ فن ہے جو اب رفتہ رفتہ مفقود ہوتا جا رہا ہے۔موجودہ دور میں جے پور میں اس فن کے ماہر خدا داد خاں مونس تھے،ان کے انتقال کے بعد اب یہ میدان خالی پڑا ہے۔پروینؔ کی تاریخ گوئی نمونے ملاحظہ کیجئے۔والد سید غضنفر علی کی وفات پر یہ قطعہ لکھا تھا

والد مرحوم فردوس اعلیٰ کو گئے ہو گئی اندھیر آنکھوں میں یہ ساری کائنات
غوطہ زن تھی فکر میں پروین کہ ہاتف نے کہا رنج و غم ہے لکھ سن ہجری میں وسال وفات ۱۴۱۲ھ

اپنے صاحبزادے سید مشتاق حسین کی شادی خانہ آبادی کے موقع پر ذیل کا قطعہ کہا تھا

دعا نکلی میرے دل سے میاں منجھو کی شادی پر رہیں سر سبز باغ دہر میں رشک چمن دونوں
طلب کی اس کی جب تاریخ ہجری میں تو پرویں نے کہا یہ عاشق و معشوق ہوں دولہا دلہن دونوں ۱۳۲۰ھ

قطعات:۔دیوان پروین میں قطعات کی تعداد دس ہے،تین عدد قطعات یہاں پیش کر رہا ہوں:۔

اک عرصہ ان سے حال دل مبتلا کہا اک عرصہ درد ہجر کا کچھ ماجرا کہا
اک عمر جب گزر گئی گفت و شنید میں کہنے لگے کہ اتنے دنوں تم نے کیا کہا

☆

بہت مشکل تھا رکھنا سر سلامت نہ رہتا زر و زیور سلامت
مگر امن و اماں ہے اب جہاں میں رہیں انگریز تا محشر سلامت

☆

اطاعت سے بڑھ کر عبادت نہیں ہے اطاعت نہ ہو تو شرافت نہیں ہے
خدا نے انھیں ملک بخشا ہے پروین خدا سے انھیں لڑنا بغاوت نہیں ہے

دیوان پروین میں چند نظمیں بھی ہیں ان میں سے ایک نظم کے چند اشعار یہاں پیش کرتا ہوں،یہ نظم انہوں نے اپنے بڑے بھائی سخاؔ کو مخاطب کر کے لکھی تھی وہ اکثر سفر میں رہا کرتے تھے

تم بھول گئے بھائی مجھے وائے مقدر آئندہ کچھ امید مروت نہیں تم سے
جو ڈھنگ تمھارے ہیں وہی پیر فلک کے کس طرح کہا جائے بیعت نہیں تم سے
دو لفظ لکھ بھیجا کرو اپنے قلم سے ہو سکتی اور اگر مشقت نہیں تم سے

مناجات:۔آخر میں دیوان پروین میں شامل مناجات کے نمونے پیش کرتا ہوں،پہلے حمد کے یہ اشعار ملاحظہ کیجئے:۔

ہے وہی کثرت میں بھی وحدت نما ہوگیا وحدت سے جو کثرت فزا

عاجز اس کے فہم سے ادراک ہے ہر طرح وہم بشر سے پاک ہے

پروین نے حضرت امام حسین سے اپنی عقیدت کا کھل کر اظہار کیا ہے ایک سلام سے چند اشعار ملاحظہ کیجئے

سلامی گر دو آنسو بھی غم سرور میں آ جائیں یقیناً ہم پناہ ساقی کوثر میں آ جائیں

فرات و دجلہ کہتے تھے ہمیں کیا حکم ہے مولا رہ جائیں جہاں بہتے ہیں یا لشکر میں آ جائیں

چلے اکبر تو حضرت ام لیلیٰ نے دعا مانگی کہ جیتے جاگتے پھر پہلوئے مادر میں آ جائیں

کہا عباس نے عاجز نہیں چاہیں تو دریا پر ابھی دم بھر میں جائیں اور ابھی دم بھر میں آ جائیں

☆

جو ترے لطف وعنایت پہ نظر رکھتے ہیں پاؤں ہر راہ میں بے خوف وخطر رکھتے ہیں

جو تصور میں تجھے پیش نظر رکھتے ہیں طاق نسیاں پہ کہیں شمس وقمر رکھتے ہیں

سہرا:۔ پروین نے اپنے بیٹے مشتاق کی شادی کے موقع پر جو سہرا کہا تھا اس کے دو اشعار پیش خدمت ہیں۔

سر نوشہ پہ بندھا ہے گل تر کا سہرا اس کے اوپر ہے دعاؤں کے اثر کا سہرا

آج وہ روز دل افروز ہے اے دور فلک چاند سے چہرے پہ ہو نور قمر کا سہرا

دیوان پروین کا جائزہ لینے کے بعد یہ کہا جاسکتا ہے کہ راجستھان کے اردو ادب میں پروین کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔انہوں نے اپنی دانست میں ہر صنف سخن پر طبع آزمائی کی ہے۔میرے پیش نظر دیوان پروین ایڈیشن ۱۹۱۵ء ہے۔اس میں شاعرہ کی تخلیق کردہ ۲۴۵ غزلیں، ۲ سہرے، ۱۰ قصیدے، ۳۴ رباعیات، ۱۰ قطعات، ۴ خمسے، ۴ منقبت، ۴ سلام، ۲۵ تاریخی قطعات، ۴ مناجات، ایک مسدس، اور ۶ نامجات نظم کے علاوہ ۲۴ عدد فارسی کی غزلیں اور کچھ تقاریظ ہیں۔اسی سال کا عرصہ گزر جانے کے بعد بھی ان کو راجستھان کی پہلی 'صاحب دیوان شاعرہ' ہونے کا شرف حاصل ہے

حوالے:۔

(۱) دیوان پروین پہلا ایڈیشن، جے پور ۱۹۱۵ء ص ۱

(۲) تنقیدی زاویے ڈاکٹر مدبر علی زیدی راجستھان اردو اکادمی جے پور ص

(۳) دیوان پروین پہلا ایڈیشن، جے پور ۱۹۱۵ء ص ۳۲

(۴) دیوان پروین تقریظ کشن پرشاد شادؔ دوسرا ایڈیشن ص۸

(۵) خانوادہ نجف علی خاں کی راجستھان میں سوسالہ علمی وادبی خدمات ص۔۲۳۵، ۲۳۴

ANWAR-E-TAHQEEQ

(Multilingual & Multidisciplinary Peer Reviewed Refereed Monthly Magazine from Qila-e-Golconda, Hyderabad, Deccan)

Volume:-8, Issue:- 1 to 6

January To June 2021

Price: Monthly:-50rs., Annual:- 500rs.

Supervision

Dr. Syed Adil Ahmad, Department of Archaeology, State Museum, Hyderabad Telangana

Editor

Syed Iliyas Ahmad Madni,

Honorary Editors:

Sahebzada Dr. Saulat Ali Khan

Dr. E. A. Haidari

Address:-

9-10-389, Neem Bowli, Masjid, Kathora House, Golconda Fort, Hyderabad, Telangana- 500 008

Mob:- 09966647580 Email:- anwaretahqeeq@gmail.com

Review Committee

Prof. Masood Anwar Alavi, AMU, Aligarh
Prof. Umar Kamaluddin, LU, Lucknow
Prof. Aziz Bano, MANUU, Hyderabad
P. Anuradha Reddy, Intex, Telangana, Hyderabad
Dr. Zareena Perveen, Director of Archieves, Hyd.
Dr. S. Asmath Jahan, MANUU, Hyderabad
Dr. M. A. Naeem, Hyderabad
M.A. Ghaffar, caleographer, Alwan-e-Urdu, Hyd.
Kishore Jhunjhunwala, Expert of coins, Mumbai
Amarbeer Singh, Expert of coins, Hyderabad

Editorial Board

Prof. S. M. Asad Ali Khurshid, AMU, Aligarh
Prof. Shaid Naukhez Azmi, MANUU, Hyderabad
Dr. Mohd. Aqeel, BHU, Varanasi
Dr. Md. Ehteshamuddin, AMU, Aligarh
Dr. Mohd. Qamar Alam, AMU, Aligarh
M. Tauseef Khan Kaker, AMU, Aligarh
Ahmad Naved Yasir, AMU, Aligarh
Sheikh Abdul Raheem, JIH, Hyderabad
Mutabbi Ali Khan, Editor Urdu Khabar.in, Hyderabad

Articles

	Article	Author	Pg.
1	स्वतंत्रता सेनानी मौलाना आजाद	डॉ. सौलत अली खान	3
2	ठावौ गद्यकार : मुहणोत नैणसी	डॉ. लक्ष्मीकान्त व्यास	10

डॉ. सौलत अली खान

निदेशक

मौलाना अबुल कलाम आजाद अरबी फारसी अनुसंधान संस्थान, टोंक (राज.)

-: स्वतंत्रता सेनानी मौलाना आजाद :-

जब मैं भारतवर्ष की गुलामी से आजादी के कालचक्र पर दृष्टि डालता हूँ तो कई स्वतंत्रता सेनानियों के खून के छींटे भारतवर्ष पर नजर आने लगते है | कुछ खून के छींटों को तो भारतवासियों ने अपने माथे पर तिलक की तरह सजाया तो कुछ पर ध्यान ही नहीं दिया और कुछ को भूलने और मिटाने की कोशिश की और कुछ को मिटा ही दिया | अगर हम भारत के स्वतंत्रता सेनानियों की तरफ दृष्टिपात करें तो बहादुरशाहजफ़र से लेकर महात्मा गाँधी तक कई स्वतंत्रता सेनानी दृष्टिगत होते हैं |

जंग ए आजादी के दीवाने जिसके नाम को अब्दुल बारी, शौकत अली, मौहम्मद अली और आसिफ अली की तरह भूलाया जा रहा है लेकिन खुदा जानें लोगों को क्या ख्याल आया कि मौलाना अबुल कलाम आजाद को आज फिर से वतन परस्त और जंग ए आजादी की सूची में जगह दी है वरना आज से पहले जंग ए आजादी के इस मजबूत सिपाही को सूचीबद्ध नहीं किया गया था और उनके जंग ए आजादी के कारनामों को भूलाने की कोशिश करी गयी और जंग ए आजादी के एक मजबूत सिपाही के कारनामें लेखनी से भी परे है | यह शख्सियत मौलाना अबुल कलाम आजाद की है जिसने हजारो व्यक्तित्वों का निर्माण किया है और इतिहास के पृष्ठों को सजाया–संवारा; वह आजाद जिसने देश को आजाद कराकर खुद ही नहीं सम्पूर्ण भारतीयों को आजाद हवा में सुख और चैन की साँस दिलायी |

भारत की राजनीति में कदम रखने से पहले ही मौलाना ने भारत की राजनीति के सबसे बड़े रोग को पहचान लिया था | उनका मानना था की अंग्रेजों ने अपने स्वयं के लाभ के लिए हिन्दू और मुस्लिम कौमों को आपस मे लड़ा दिया जो मजहबी गिरोह के लिए ही नहीं बल्कि पूरी कौम के लिए खतरनाक है और यही बात हमारी आज़ादी में रुकावट बनी रही | मौलाना ने इसमें बड़ा काम किया | सबसे पहले हिन्दू मुस्लिम में एकता कायम करने में लग गये | उन्होंने स्वराज लेने से ज्यादा हमारी एकता पर बल दिया | वह खुद कहते थे कि जब हम एक हो जायेंगे तो स्वराज अपने आप मिल जायेगा |

मौलाना पहले देशवासी और पहले मुसलमान हैं जो अंग्रेजों की चाल को समझकर आजादी की कोशिश में लग गए | मौलाना ने जब राजनीति में प्रवेश किया तो उस समय बंगाल का विभाजन किया जा रहा था तो प्रारंभ में मौलाना को कुछ खास महफ़िलों से अलग रखा गया और फिर मौलाना इराक और मिस्र आदि चले गए | जहाँ उनकी मुलाकात इराकी इंकलाबियों और मिस्र में उनकी मुलाकात मुस्तफा कमाल पाशा के अनुयाईयों से भी हुई | उसी समय देश को ' यंग टर्क्स ग्रुप ' ने अपना केंद्र बिंदु बना रखा था| वहाँ से एक साप्ताहिक समाचार पत्र भी जारी किया जा रहा था | मौलाना तुर्की गए तो वहां ' यंग टर्क्स आन्दोलन के कुछ नेताओं से उनकी मित्रता हो गयी, उनसे बातचीत के बाद मौलाना को यह यकीन हो गया कि भारत के मुसलमानों का भी जंग ए आजादी में शामिल होना जरूरी है| मौलाना ने फैसला कर लिया कि हिन्दुस्तान पहुँच कर वह पहले से अधिक राजनीति में भाग लेंगे | मौलाना को यह अहसास भी हुआ की मुसलमानों को गफलत की नींद से जगाने और उनमे इंकलाबी जज्बा पैदा करने के लिए एक समाचार पत्र शुरू करना जरूरी है | इसी मकसद के लिए मौलाना ने जून सन 1912 ईस्वी को साप्ताहिक समाचार पत्र **" अल हिलाल "** प्रकाशित करना आरम्भ किया | **" अल हिलाल "** आमजन में बहुत प्रसिद्ध हुआ और कुछ वर्षों में ही प्रति सप्ताह लगभग 52000 प्रतियां छपने लगीं | पत्रकारिता के इतिहास में यह प्रथम साप्ताहिक था जिसकी प्रतियों की संख्या यहाँ तक पहुंची |

जब ब्रिटिश हुकूमत **" अल हिलाल "** की प्रसिद्धि और इसके राजनीतिक आलेखों से परेशान हो गयी तो इसकी जमानत के लिए दो हजार

रुपयों की मांग की गयी | हुकूमत का यह ख्याल था कि मौलाना डर कर अपनी नीति बदल लेंगे लेकिन इसका मौलाना पर कुछ असर नहीं हुआ |

उन्होंने दो हजार रूपए जमानत के जमा करा दिए और समाचार पत्र की नीति में कोई बदलाव नहीं किया इस तरह जमानतें मांगी जाती रहीं और जमानतें जमा होती गयीं अंत में हुकुमत का ज़ोर नहीं चला तो **" अल हिलाल "** प्रेस जब्त कर ली गयी | फिर आपने **" अल बलाग "** के नाम से एक समाचार पत्र जारी किया | इसकी नीति भी **" अल हिलाल "** की तरह थी | कुछ दिनों बाद हुकूमत ने इसको भी बंद कर दिया | वाकई **" अल हिलाल "** हिन्दुस्तान की आजादी का चाँद साबित हुआ और यह चाँद 1947 ईस्वी में हिंदुस्तान की आजादी के क्षितिज पर चमकता - दमकता दिखाई दिया | **" अल हिलाल "** व **" अल बलाग "** के जरिये मौलाना ने मुसलमानों के हर तबके को अंग्रेजो के खिलाफ जंग के लिए आवाज दी | जिससे हिंदुस्तान की सरजमीं आजादी और इंकलाबी नारों से गूंजने लगी और इस तरह आपने जंग ए आजादी के लिए एक आधार तैयार किया | **" अल हिलाल "** का यह एक ऐसा ऐतिहासिक चमत्कार था जो हिन्दुस्तानी आजादी में स्वर्णिम अक्षरों से लिखा गया |

यह कहना उचित होगा कि बगैर **" अल हिलाल "** व **" अल बलाग "** के स्वतंत्रता का आन्दोलन कामयाब और अधूरा ही रहता | हाँ यह जरुर है कि स्वतंत्रता आन्दोलन का इतिहास इन दोनों समाचार पत्रों के जिक्र के बगैर अधूरा ही रहेगा | किसी भी समाचार पत्र को सफल बनाने के लिए प्रजा के रुझानात के बहाव पर छोड़ देना बड़ा आसान होता है और यह भी कहा जा सकता है कि समाचार पत्र प्रजा के अहसासात का दर्पण है | लेकिन हम कह सकते हैं कि यह समाचार पत्र प्रजा के जज्बात का दर्पण ना होकर मौलाना के जज्बात का दर्पण है| अपनी बात और दृष्टिकोण व विचारों को मनवाना और पाठकों के विचारों को बदलना प्रजा के विचारों को नया मोड़ देना किसी भी पत्रकार की दक्षता की परीक्षा होती है और मौलाना ने इस परीक्षा में अपार सफलता पायी |

एक तरफ तो उन्होंने स्वंत्रता आन्दोलन में तीव्रता जुनून और अधिकता पैदा करने की सफल कोशिश की तो दूसरी तरफ मुसलमानों का स्वतंत्रता

आन्दोलन की तरफ अधिक ध्यान दिलाया और वतन पर मर मिटने का पाठ पढाया | इसके जरिये मुसलमान स्वतंत्रता आन्दोलन में सक्रियता से भागीदारी निभाने लगे | मौलाना खुद कहते हैं कि मैंने आज से बारह साल पहले **" अल हिलाल "** के जरिये मुसलमानों को याद दिलाया था कि **आजादी की राह पर कुर्बानी व जां फरोशी उनका कौमी विरसा है | उनका इस्लामी फर्ज यह है कि हिंदुस्तान की तमाम जमाआतों को इस राह में अपने पीछे छोड़ दे मेरी सदाएं बेकार नहीं गयी |**

बहरहाल **" अल हिलाल "** तो बंद हो गया लेकिन मौलाना की पत्रकारिता का ये छोटा सा अध्याय स्वतंत्रता आन्दोलन में अपनी महत्त्वपूर्ण भूमिका अदा कर चुका था | मौलाना ने एक बहुत बड़े मुस्लिम तबके को ना सिर्फ मुताआसिर करने बल्कि स्वतंत्रता आन्दोलन में शामिल करने में भी सफलता पायी थी | मौलाना एक जगह कहते हैं कि " **मेरी कौम को मेरे साथ चलना होगा अगर मेरी कौम मेरे साथ ना चली तो हवाओं को और दरियाओं को मेरे साथ चलना होगा** | " यह इन्कलाब जोश और जज्बात की तीव्रता और गहराई उनकी सफलता का कारण था और उनके भाषण एवं संबोधन की जादुई आवाज जिसके कारण वह सफलता की सम्पूर्ण पड़ाव और मुकाम तय करते हुए बड़ी वीरता से एक कौम के सेनापति की तरह अपनी कौम के साथ आगे बढ़ते गये और कौम उनके साथ कन्धे से कन्धा एवं कदम से कदम मिला कर इसलिए चली गयी क्योंकि उन्होंने मुसलमानों को मजहब के दायरे में रहकर पाठ पढाया और खुद भी मजहब पर डटे रहे | वह खुद इन्डियन नेशनल कांग्रेस के मार्च सन 1940 ई. के सालाना सम्मलेन में फरमाते हैं कि **" मैं मुसलमान हूँ और फख्र से कहता हूँ कि मुसलमान हूँ | इस्लाम की तेरह सौ बरस की शानदार रिवायतें विरासत में आई हैं | "** मौलाना पहले व्यक्ति थे जो इतनी कम उम्र में कांग्रेस के सदर चुने गए और सबसे अधिक समय तक मौलाना इस पद पर बने रहे |

सरदार पटेल और उनके साथी चाहते थे कि चुनाव हो और सरदार पटेल सदर (अध्यक्ष) चुने जायें | इसके विपरीत कांग्रेस के बहुत से सदस्यों को चाहत थी कि मौलाना ही इस पद पर बने रहे लेकिन मौलाना नहीं माने और 7 जुलाई सन 1946 ईस्वी को बम्बई में कांग्रेस का जलसा हुआ | उसमें मौलाना ने

पंडित जवाहर लाल नेहरु का नाम अध्यक्ष (सदर) पद के लिए पेश किया जिसको एकमत से मान लिया गया |

प्रारंभ में मौलाना कांग्रेस में आये तो उनके और गाँधी जी के विचार भिन्न भिन्न थे | मौलाना आजाद हिंसा के बल पर और गाँधी जी अहिंसा के बल पर भारत की स्वतंत्रता चाहते थे और फिर मौलाना आजाद गाँधी जी के साथ हो गए और कई बार जेल भी गए | गाँधी जी के साथ नमक कानून तोड़ा, गिरफ्तार कर लिए गए और जेल में डाल दिए गए और फिर गाँधी जी ने हिंदुस्तान छोड़ो आन्दोलन चलाया तो प्रातः काल 19 अगस्त को मौलाना को गिरफ्तार कर लिया गया और फिर नेहरु, आसिफ अली, सरदार पटेल को भी गिरफ्तार कर लिया गया और 15 जून को मौलना को आजाद कर दिया गया और मौलाना को कांग्रेस के सदर की हेसियत से शिमला में गोलमेज कांफ्रेंस में बुलाया गया |

हमवतन हिन्दुओं और दूसरे तबके के साथ मिल कर आजादी की लड़ाई लड़ने के लिए आजाद ने जिन बातों को अपने इमान और यकीन की हद तक रखा| उनमे हिन्दू-मुस्लिम एकता एक संस्कृति और एक कौमियत की नींव को सुद्दढ़ करने वाले विचारों को प्राथमिकता दी | मौलाना ने अंग्रजों की ' फूट डालो और राज करो ' की इस नीति को अपने समाचार पत्र **" अल हिलाल "** में जाहिर कर के हिन्दू-मुस्लिम और दूसरे लोगों को एक कर दिया जो अंग्रजों से छुटकारा दिलाने और आजादी के लिए बहुत जरुरी था | हिन्दुस्तानियों को एकदूसरे के करीब लाया गया और इनमे आजादी के जज्बे को उभारा गया |

सन 1933 ईस्वी में कांग्रेस की एक खास सभा में आपने अपने संबोधन में कहा था **" आज एक फ़रिश्ता आसमान की बुलंदियों से उतर आये और देहली में क़ुतुब मीनार पर खड़े होकर ये ऐलान कर दे के स्वराज चौबीस घंटे में मिल सकता है बशर्ते के हिंदुस्तान हिन्दू मुस्लिम इत्तेहाद से दस्तबरदार हो जाये तो मैं स्वराज से दस्तबरदार हो जाऊंगा मगर इससे दस्तबरदार ना होगा | अगर स्वराज मिलने ताखीर हुई तो ये**

हिंदुस्तान का नुकसान होगा | लेकिन हमारा इतिहास जाता रहा तो ये आलम-ए-इंसानियत का नुकसान होगा | ”

आज जब हमें एक एवं समान संस्कृति वाला भारत मिल गया तो हम इस समान संस्कृति को मिटाने पर तुले हुए हैं | जो स्वराज हमारी एकता में रुकावट था मौलाना आजाद ने उसे लेने से मना कर दिया और आज हमें एकता एवं संप्रभुता वाला भारत मिल गया तो हम इस एकता एवं संप्रभुता वाले भारत को हाथ से गंवाना चाहते हैं और साम्प्रदायिकता एवं आपसी लड़ाई लड़ कर फिर भारत के इतिहास को दोहराना चाहते हैं |

मौलाना ने हिन्दू मुस्लिम एकता पर कई जगह अपने विचारों को प्रकट किया है और दिली जज्बात के साथ किया है | आगरा की एक सभा की सदारत करते हुए आपने कहा था “ **हिंदुस्तान के लिए हिंदुस्तान की आज़ादी के लिए सदाकत वतन परस्ती के बेहतरीन और आला फराईज अदा करने के लिए हिंदुस्तान के हिन्दुओं और मुसलमानों का इत्तेहाद और उनकी यकजेहती जरुरी है | अगर हिंदुस्तान के मुस्लमान अपने बेहतरीन शरआई और इस्लामी फराईज अंजाम देना चाहते हैं तो उन्हें ये काम बाहैसियत हिन्दुस्तानी होने के अंजाम देना चाहिए | ” मौलाना बड़े फख्र के साथ कहते थे “ मैं एक हिन्दुस्तानी हूँ और न काबिल-ए-तकसीम और मुत्तहिद हिन्दुस्तानी कौमियत में शामिल हूँ | ”**

स्वतंत्रता के लिए जो महत्त्वपूर्ण बातें आवश्यक होती हैं उनको मौलाना ने पूर्ण किया | मौलाना के लिए हिन्दुस्तानी कौमियत एक बड़ी पूंजी के समान थी | इमाम-ए-हिन्द मौलाना आजाद ने अपने विचारों से मुल्क व कौम की जो सेवा की है वह भारत के कौमी इतिहास का एक सुनहरा पृष्ठ है | उन्होंने अपने विचारों, कार्य की क्षमता और अपने वैचारिक संबोधन से स्वतंत्रता संग्राम को आगे बढ़ने में जितनी मेहनत से भूमिका निभायी उसका गवाह उनकी जिंदगी का एक-एक लम्हा है | वह भारत की आजादी के लिए ही जीये और इसी के लिए मरे और भारत की आज़ादी के लिये अपनी सम्पूर्ण उम्र लगा दी और भारतवर्ष को आगे बढ़ाने और परवान चढ़ते रहने की आरजू में इस दुनिया को छोड़ कर कभी ख़त्म न होने वाली जिंदगी की तरफ कूच कर गये| उनके

नजदीक हिंदुस्तान वालों का भला इसी में था कि एक संस्कृति के विचारों को मुल्क में फैलाया जाये |

इस चमन (भारतवर्ष) के अलग अलग रंगों के फूलों को जमा कर के एक गुलदस्ता सजाया जाए और तमाम खुशबुओं को एक महक बना कर मुल्क की कौमीफ़जा में प्रसन्नता के साथ बिखेर दे |

यह पद्यांश उनके व्यक्तित्व को दर्शाता भी है और इससे पाठ भी पढाया जा सकता है और सीख भी ले सकते हैं |

“ जिसने दिया आजादी का दरस ऐहल-ए-चमन को
हँसता था जो सह कर सितम-ए-चरखे-ए-कोहन को
ऐहसान हैं वह उसके भुलाये नहीं जाते
हमसे ये ऐहसानात चुकाए नहीं जाते ”

डॉ. लक्ष्मीकान्त व्यास

(पूर्व) सह आचार्य

सम्राट पृथ्वीराज चौहान राजकीय महाविद्यालय, अजमेर

मो. 9414273951

ठावौ गद्यकार : मुहणोत नैणसी

मारवाड़ रौ देस दीवाण, जयमल-सरुपदे रौ मोबी बेटौ, मारवाड़ री धरा-धाम रौ लूंठौ रक्षक अर सेनानायक मुहणोत नैणसी राज रै न्यारा-न्यारा परगनां रौ हाकिम, मारवाड राज्य रा धणी महाराजा गजसिंह अर महाराजा जसवंतसिंह रौ विश्वासपात्र तो हो पण आत्म-सम्मान में खुद रै जीवण नै होम करण में पाछ नीं राखण वाळौ नैणसी, राजस्थानी साहित्य री गद्य परपंरा रौ ठावौ रचनाकार भी रह्यौ है। नैणसी री साहित्यिक साधना रा दो कीरतथंभ 'मुंहता नैणसी री ख्यात', अर 'मारवाड़ रा परगनां री विगत' आज भी राजस्थान रै इतिहास नै परकासै अर इणरै साथै-साथै भाषा अर साहित्य री सिमरधता री भी साख भरै।

राजस्थानी साहित्य री गद्य परंपरा री ठावी रचनावां 'मुंहता नैणसी री ख्यात' अर 'मारवाड़ री परगनां री विगत' इतिहास री भी अमोली रचनावां है। अै रचनावां नैणसी री गद्य शैली रै साथै उणरी इतिहासू दीठ नै भी सामीं राखै, इण भांत अै रचनावां इतिहास री आरसी बण जावै।

यूं तो राजस्थानी व्ाातां री ल्हैरां में प्रेमलीला रौ वरणाव, नायक-नायिका रै फूटरापै रा वरणाव, गढ़, किलां, नगरा, स्हैरां, गोठ-गूगरियां अर अलेखूं जुद्धां रा वरणाव न्यारी-न्यारी शैलियां मांय सामीं आवै जिणमें भांत-भांत रा आणंद आवै। अठै केई

व्ाातां धरम अर आस्थावां, वार-तिंवारा, व्रत-उपवासां सूं जुड्योड़ी हुवै, केई व्ाातां में वीर जोधावां रा पवाड़ा हुवै, केई ठौड़ भूत-भूतणी, डाकी-डाकण, देवी-देवता, परियां अर अप्सरावां रा चितरांम मंडीजै तो केई ठौड़ बाळकां नै बिलमावण वाळी व्ाातां भी सामीं आवै।

इणमें केई व्ाातां जिकी सीधै सरुप में इतिहास सूं जुड़ै, इतिहास री परतां खोलै, इतिहास रा नायकां या वंारै सूं जुड़ी घटनावां सामीं लावै वे व्ाातां विस्तार लेवती, इतिहास नै परकासती, चमत्कारी चिलकां सूं अळगी हुवती, इतिहास रै साच नै अंगेजती ख्यातां अर विगतां रौ आधार बणै। डॉ. मनोहर शर्मा 'कुंवर सी सांखळो' री भूमिका में इण बाबत लिख्यौ है - ' 'इतिहास रो निर्माण शिलालेख आदि प्रमाणां पर आधारित है तो ख्यात मांय जनश्रुति भी सामिल कर ली गयी है। बात मांय उणी सूत्र नै कल्पना सूं विस्तार देय' र सरस बणयौ है, जिणसूं जन-साधारण नै इतिहास बोध री तृप्ति साथै आणंद री प्राप्ति हुय सकै।'' (कुंवरसी सांखळौ : सं. मनोहर शर्मा: पृ. 5)

आ बात पुष्ट है' क भारतीय साहित्य री परंपरा आदि सरुप में 'श्रुतिनिष्ठ' अर 'वाणीनिष्ठ' रैयी उणरौ लेखन घणौ मोड़ौ हुयौ। श्रुतिनिष्ठ परंपरा रौ साहित्य न्यारा-न्यारा सरुपां में इतिहास तो सामीं लायौ पण उणमें तिथियां, घटनावां, तथ्यां रौ वो ठावकौ आधार तैयार नीं हुय सक्यौ जिणनै आज रौ इतिहास स्वीकार करै क्यूं' क इणमें लोक-विश्वास, व्यक्ति-पूजा, वंश या जात खातर लगाव या घृणा, इण भांत रा केई तत्त्व है जिणां सारू इतिहास सूं जुड्या इतिहास-दर्शन अर इतिहासकारां री दीठ चाहे जो रैयी पण आ साहित्यिक सामग्री साहित्य री अनमोल संपत्ति कैयी जा सकै। मुहणोत नैणसी री 'ख्यात' अर 'विगत' राजस्थानी साहित्य री परंपरा रा ठावका उदाहरण है।

राजस्थानी व्ाातां री विशेषतावां जिणमें कैवण री विशेष शैली, घटना-तत्त्व री प्रधानता, वरणाव री खास ठसक, ठौड़-ठौड़ चमत्कार अर अति प्राकृतिक तत्त्वां रौ संजोग खास है, 'मुंहता नैणसी री ख्यात' री केई व्ाातां में भी अै विशेषतावां देखी जा सकै। अेक व्ाात-पोश जिण भांत आपरी व्ाात राखै या जिणरा पात्र जिण भांत आचार-व्यवहार करै, बोलै-चालै, उणी ढाल री विशेषतावां 'ख्यात' री व्ाातां में देखी जा सकै। यूं लागै जाणै व्ाातां रै जरियै ख्यातकार, ख्यात रा पानां लगौलग खोलतौ जाय रह्यौ है।

नैणसी री 'विगत' अर 'ख्यात' नै देख्यां आ बात कैयी जा सकै' क नैणसी इणारै ख्यात संयोजन में बातां रौ आधार लियौ। कठै ई तो उण वृ्ाता रै सूत्रां रौ उल्लेख, कहीजै, सुणीजै, मानीजै इण भांत भी कर्यौं है। ख्यातां में दूहां, कवित्त, गीतां रौ प्रयोग भी हुयौ है ज्यूं वृ्ात-पोश आपरी वृ्ात नै रोचक बणावण वास्तै काव्य रौ प्रयोग करै। छोटा-छोटा वाक्य, सहज अर सुबोध शैली, भाषा री सरलता अर सरसता इणनै रोचक बणावै, वांमै चमत्कार, लोक धारणा रा सूत्र, लोक-विश्वास, शकुन-विचार इण ढंग सूं सामीं आया है' क वे ख्यात रा पुष्ट आधार लखावै ज्यूं सिसोदियां री ख्यात में लिख्यौ है-

''रावळ बापो गुहादित्य रौ। तिण हारित रिख री सेवा करी। पछै हारीत रिखीश्वर प्रसन हुय बापा नूं मेवाड़ रौ राज दियौ ने हारीत रिख-वीमान बैस चालतो तो थो। सु बापा नुं तेड़ियो थो, सू मोड़े रौ आयो। सू पछै बापा नं् रथ बैसतां बांह झाली। बापा री देह हाथ दस बधी। पछै तंबोळ हरीत रिख बापा नूं आपरी देह अमर करण नूं देतौ हु तो सू मुंहड़ा माहे पड़ न सकियौ। बापा रै पग ऊपरै पड़ियौ। तरै हारीत कह्यौ मुंहड़ै मांही पड़ियो हूंत तो देह अमर हूंत।'' ''एक बात यूं सुणी छै, - आगै अै बांमण हुता। राजा परीखत रै वैर जनमैजे नाग होमाया, तिकै इणां होमिया।'' [ख्यात-1 पृ. 3, 8]।

बप्पा रावल सूं जुड़ी आ कथा मेवाड़ रै इतिहास अर लोक में यूं री यूं जुड़ी है, उदयपुर रै कन्नै भगवान अेकलिंग रै मंदिर में इण कथा ज्यूं उल्लेखित मूरतियां थरपित है जिकी लोक धारणा रै पुष्टता री साख भरै। लोक धारणावां रै साथै-साथै इतिहास रा तथ्यां नै भी मांडण में नैणसी कोई चूक नीं करी उदैपुर री थरपणा खातर लिख्यौ है-
''पछै संवत् 1624 राणै राणै उदैसिंह चीतौड़ छोड़ उदैपुर बसायौ। आगै आ ठौड़ देवड़ा रा गांव 50 गरवो कहीजतौ। उदैसागर तळाव बंधायौ। संवत् 1579 रा भादवा सुद 11 रौ जनम। संवत् 1629 रा फागुण सुद-15 राणौ उदैसिंह काळ प्राप्त हुवौ।'' (ख्यात -1, पृ. 21)

'वृ्ात सोनगरां री' में गुजरात रा सोमनाथ महादेव रै चमत्कार में सोनइयौ महादेव रै नाम री बात लिखी है- ''सोरठ मांहै देवरौ पाटण छै। तठै सोमइयौ महादेव जोतलिंग थो सू उपाड़नै आला चांबा मांहे बांध नै गाडै मांही घातियौ सु महादेव ठोड़ थी

खिसै नहीं तरै पातसाह आरंभरांम हठी पड़ियौ। पांच सौ जोड़ी बळदां री गाड़ी बैलै रुखी करनै जोती। महादेव रा लिंग माहेथी, आग भभक-भभक नीसरै छै। सु पांचसै सिका पाणी सूं लिंग नै छांटता जाय छै। बळद जूपै छै तिका मरता जाय छै। महादेव घणो ही करामात करै छै।'' (ख्यात-1, पृ. 213)

'ख्यात' में सांचोर री' ओळखांण 'वृ ा ात सांचोर री' में इण भांत करीजी है- ''सहर तो कदीम छै। घणां दिनां रौ वसै छै। पाधर मैदांन में बसै छै। सहर बीच कोट ईंटा रो थो सु तो विचले वरसे पड़ गयौ नै दरवाजो 1 कोट रौ साबतो नै क्यूं हैक भींत रावळा धरां वांसै, क्यं हेक दरवाजा रै मुहंडै थोड़ी सी भींत रही थी। पछै संवत् 1681 रै टांणै महाराजा श्री गजसिंह जी नूं सांचोर जागीर हुती, तद एक वार काछी कटक माणस 5000 सांचोर ऊपर आया, तद मुहतै जैमाल जैसावत नूं परगनो थो। पछै जैमल रै चाकरै वेढ़ कीवी।''(भाग-1, पृ. 227)

'कछवाहां री ख्यात' में भी राजा प्रथीराज अर राणा सांगा रौ वृतांत कहीज्यौ है अर कच्छावां री पीढ़ियां रौ उल्लेख भाट राज पांण उदैही मंडाई जिणरौ हवालौ भी नैणसी दियौ है - (ख्यात: पृ. 287 भाग-1)।

भाटियां री ख्यात में लिख्यौ है- अथ ख्यात भाटियां री लिख्यते- ''अै जदुवंशी कहीजै। वज्रनाथ प्रदुमन रौ बेटौ श्री कृष्णदेव रौ पोतरौ।'' (ख्यात भाग : 2 पृ. 1)

वात झाला रायसिंह मानसिंहोत नै जाड़ेचा जसा धवलोत नै जाड़ेचा सायब हमीरोत वेढ़ हुई तिणरी वात में नैणसी बारहठ ईसरदास रौ गीत रामसिंह री वीरता रै वरणाव में लिख्यौ है -

पंख किसूं भखै, की अगन प्रकासै,

लाअै किसूं संकर गळ लेअ,

वप जसराय, तणो घाय वहंतां

लोह धार रहियो, लागेअ ।। १।।

& & & & &

विहंगां हुवो न चीनो विसनर

भव ही तणै न आयौ भाग।

अंग जसराज तणौ आफळतां,

लिख-लिख गयौ अंगारां लागं ।। ३।।

(ख्यात: 2 -पृ. 249)

नैणसी री ख्यात री व्ाातां में लोक विश्वास अर शकुनां री ओळखांण हुवै यूं शकुनां री व्ाात 'विगत' में भी करीजी है जठै राज थरपणा सूं पैली सवणी सूं पूछीजै, सुपनां री व्ाातां साहित्य री अमोलक निधि है जिकी नैणसी आपरी वातां में मांडी है। 'व्ाात सीहै जी री' में राणी चावड़ी रै सुपनै री व्ाात इण भंात मंाडीजी है- ''अेक दिन रौ समाजोग छै। रातरै विखै पौढिया छै। तरै-रांणी चावड़ी सुहणो लाधो, जु नाहर 3 आया छै। रानी जाणै छै मांहरौ पेट फाड़ आंतरा काढ़ नाहर आंतरा ले ले अर पहाड़ै गया। ताहरां रावजी चावड़ी नूं ताजणा 2-3 बाह्या। ताहरां चावड़ी बैठी रही। नींद न पड़ी। वेदले थकां दिन ऊगो। ताहरां राव सीधे बोलियो। मैं तो तोनं ताजणा इतरै वास्तै वाह्या छै जु तोनूं नींद न पड़ै। नींद पड़ियां सुहणा रौ फळ मिटै छै। थारै तीन पुत्र हुसी, सू सीह सरीखा हुसी।'' (ख्यात-2, पृ. 274-275) अठै व्ाातां में परियां, अप्सरावां भी आपरी महताऊ भूमिका लियां रैयी इणरै साथै केई ठौड़ चमत्कार भी आया है। 'पाबूजी री व्ाात में' अप्सरा अर मर्योडै ऊंट रै पाछै जीवतौ हुवण रौ उदाहरण देख्यौ जा सकै। (भाग-3 : पृ 58-59)

नैणसी आपरी ख्यात रै साथै-साथै 'विगत' में भी परगनां री ओळखांण में भी व्ाातां री शैली रौ प्रयोग कर्यौ हुयौ है। यूं लागै कोई वात कैय रह्यौ है। विगत रै मांय गांवां, जागीरां, हासिलां, रा जठै-जठै वरणाव है उठै विगत-इतिहास, भूगोल, अर्थशास्त्र या संस्कृति सूं जुड़ती लखावै।

परगनां री ओळखांण इणभं ात करायी जी है ' 'वृ ा त परगनै जोधपुर री- आदि सहर मंडोवर थौ। सासत्र मांहे नै पदम पुराण माहे वात छै। भोगशील परवत मेर रो बेटो कहै छै। तिणरौ भोगसील माहातम घणौ कह्यौ है। मांडलेसुर महादेव, नागाद्रीहनदी, सुरजकुंड रौ घणौ महातम बखाणीयौ छै। मंडोवर सहर री आदि थापना मंदोदर दईत री कीवी छै।'' (विगत-1, पृ. 1)

'विगत' में नैणसी खुद रौ उल्लेख भी कर्यौ है जठै वो खुद जिण-जिण ठौड़ रह्यौ उण घटनावां रौ उल्लेख वो कर्यौ है। इण तथ्य सूं आ बात पुख्ता हुवै'क वो जिकी जाणकारी नैणसी दी वा इतिहास री दीठ सूं खरी है अर वो वर्णन हकीकत रै नैड़ौ अर आज री 'डायरी शैली' रौ उदाहरण कैयौ जा सकै। ज्यूं वो लिख्यौ - संवत् 1694 रा काती सुदी 5 मु. नैणसी रै हवाळै फळौधी कीधी तरै काती सुदि 13 नैणसी फळौधी पहौतो।'' (विगत-1- पृ. 119)। उठै देस रौ साथ लांपोळाई रा: नाहरखान मु. नैणसी पगे लागा। माह सुद 7 कितराहेक साथ नूं घर री सीख दी। मु. नैणसी मेड़ता नु विदा कियौ। श्री माहाराजाजी जोधपुर पधारीया माह-सुद 10, नक्षत्र रोहिणी। विगत:1-पृ. 136

'मारवाड़ रा परगनां री विगत' में नदियां, नाळां, बागां, बगीचां, देवरां, भाखरां डूंगरां रौ वरणाव भी सांतरै ढंग सूं करीज्यौ है इण वरणाव सूं रोचकता आवै- 'वृ ा त सोझतरी'- ' 'सहर मांहे अरहट दो अेक तौ पावटो अतुट पांणी। सारी सहर री मांड पावटा ऊपर। तिण उपर रावळा बाग छै। नदी धरेसरी सुकड़ी रोहीसा री तरफ रौ पांणी धारेस्वर नाव रै आवै। उठाथी हरीया माळी आगै होय सीहाट ऊपर आवै। (भाग-1 पृ. 394) इणरै आगै जातियां री विगत देवतां नैणसी लिखै- ' 'करसा गांव रै खेड़ै घांची, सीरवी, माळी, कलाळ नै बांणीया रजपूत खेत वाहै। हळ 200 देजगर रा कसबै जुपै छै। 80 घांची, 40 माळी, 40 सीरवी, 20 कलाळ, 20 साह रजपूत।'' विगत-1 पृ. 394

नैणसी री कलम सूं लिख्योड़ौ ओ साहित्य, इतिहास तो मांडै ई है पण साथै-साथै औ राजस्थानी साहित्य री गद्य विधावां रौ अेक महताऊ कीरतथंभ भी है। जिणमें साहित्य री सरलता अर सरसता, लौकिकता अर स्हैजता रै स्हारौ लियां आपरी रचनावां रै माध्यम सूं नैणसी इतिहास नै आखर रूप दियौ है। आज रा इतिहासकार या इतिहास री दर्शन-दीठ इणनै दाय आवै ज्यूं मानै पण आ वृ ा त तो खरी है'क 'मुंहतां नैणसी

री ख्यात' अर 'मारवाड़ रा परगनां री विगत' साहित्य री दीठ सूं राजस्थानी गद्य री ठावी रचनावां है अर नैणसी अेक ठावौ गद्यकार है।

संदर्भ ग्रंथ

1. मुंहता नैणसी री ख्यात भाग-1, 2, 3

सम्पादक : बद्रीप्रसाद साकरिया, प्रकाशक: राजस्थान प्राच्य विद्या प्रतिष्ठान, जोधपुर

2. मारवाड़ रा परगनां री विगत भाग-1

सम्पादक : डॉ. नारायणसिंह भाटी, प्रकाशक : राजस्थान प्राच्य विद्या प्रतिष्ठान, जोधपुर

3. कुंवरसी सांखळो :

सम्पादक : डॉ. मनोZZहर शर्मा, प्रकाशक : पंचशील प्रकाशन, जयपुर